جلد 19 شمارہ 1 ماہ جنوری 2017ء ربیع الثانی 1438ھ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاحِ آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: خالد محمود بخاری 0300-7374750

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فهد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

جشن ولادت

چار سو اللہ کی رحمت کا بادل چھا گیا
پھر محمد ﷺ کی ولادت کا مہینہ آ گیا

کس نے دی فاران سے اللہ اکبر کی صدا
نعرہ تکبیر سے سارا جہاں تھرّا گیا

خودبخود مٹنے لگا جھوٹے خداؤں کا فریب
کفر کے ماتھے پہ گھبرا کر پسینہ آ گیا

اپنے مرکز کی طرف انسانیت پھر آ گئی
حسن دل کی آتش نم خوردہ کو بھڑکا گیا

دیکھ کر مہر نبوت کی جہاں آرائیاں
سنگِ اسود کے لبوں پر بھی تبسم آ گیا

تاجدارِ انبیاء کے خیر مقدم کے لئے
آسماں وقتِ سحر تاروں کا مینہ برسا گیا

اس کے جلووں کی ضرورت آج بھی دنیا کو ہے
جو زمانہ میں اجالا ہر طرف پھیلا گیا

بدر کے میداں میں خود آ کر دہ روحِ کائنات
ہم مسلمانوں کو رازِ زندگی سمجھا گیا

سادگی و خلق میں جو آپ تھا اپنی نظیر
جس کو فرش خاک پر سوتے ہوئے دیکھا گیا

تھا نہ جو سرتاپا صدائے اشھد ان لا الہ
جس کا کلمہ زندگی بن کر جہاں پر چھا گیا

درحقیقت میری بخشش کی کوئی صورت نہ تھی
سچ یہ ہے ماہر کہ عشقِ مصطفیٰ کام آ گیا

(ماہر القادری)

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

مرتب: سید رحمت اللہ شاہ

محفل میں موجود ایک بھائی نے کہا کہ بابا جی! یہ ہے کہ بابا جانؒ نے بات کو کاٹتے ہوئے پوچھا کہ آپ Charge ہو جاتے ہیں؟ بھائی نے کہا کہ جی! ۔گاڑی کا دروازہ کھولیں یا ہینڈل پکڑیں تو ایک دم سے جھٹکا لگتا ہے۔بابا جانؒ فرمانے لگے کہ اس کا مطلب ہے کہ آپ چارج ہو جاتے ہیں۔کار شارٹ نہیں مارتی، آپ کار کو شارٹ مار رہے ہیں۔بھائی جان نے کہا کہ جی! ایک کرنٹ سا لگتا ہے۔بابا جانؒ کو بتایا گیا کہ China کا ایک بلب ہے جو ہاتھ لگائیں تو روشن ہو جاتا ہے۔بابا جانؒ نے (مزاح کے موڈ میں) کہا کہ یہاں تو پھر زیادہ چلے گا۔ بھائی نے کہا کہ ایک چھوٹا سا بلب ہے جو بسوں میں بیچتے ہیں۔بعض اوقات یہ بلب جسم سے رگڑیں تو روشن ہو جاتا ہے۔بابا جانؒ (مزاح کے موڈ میں) فرمانے لگے کہ China کیوں بیچے؟ یہاں تو سب لوگ جاننا چاہتے ہیں کہ لوڈشیڈنگ میں کام آئے۔

بابا جانؒ فرمانے لگے: ہاتھوں کو آپس میں رگڑیں تو انسان میں Electricity charge پیدا ہوتا ہے۔خاص طور پر Magnet وغیرہ۔اب تو وہ کاٹن کے کپڑے کم ہو گئے ہیں جیسے بندے نے اتارنے تو وہ ٹرٹرٹرٹرٹرٹر ہوتی تھی۔ہم England میں گئے تو وہ نائلون کی نئی نئی بڑی چمکدار شرٹیں ہوتی تھیں ۔ان کو رات کو اتارو تو اس میں سے چنگاریاں نکلتی تھیں۔

یہ چارج ہو جاتی تھی۔وہی Voltage پیدا ہو جاتی ہے اسے Static electricity کہتے ہیں۔نائلون سے اور بھی پیدا ہوتی ہے۔بجلی پیدا کرنے کیلئے آپ اسے لکڑی پر رگڑیں تو اس میں چارج پیدا ہو جائے گا۔اس شرٹ میں تو اور بھی زیادہ (چارج) پیدا ہوتا تھا۔اندھیرے میں اسے اتاریں تو اس میں چنگاریاں بھی پیدا ہوتی تھیں اور ان کی آواز بھی آتی تھی کہ بجلی چمکی ہے۔

ویسے بھی یہ بڑا Subject ہے Static electricity کا۔یہ جو گاڑیوں والے ٹینکر جاتے ہیں،ان میں جو نیچے زمین سے اوپر چینیں لٹک رہی ہوتی ہیں یہ زمین کو Touch ہوتی جاتی ہیں۔ان کو یہ Instructions ہوتی ہیں کہ یہ ضرور لگائیں تا کہ وہ ٹینکر جو ہیں وہ Earth رہیں۔ان میں جو پٹرول ہوتا ہے، وہ چلتا ہے، اُچھلتا ہے، تو پوری باڈی میں Electricity اس کی پانی کی سی چھلک سے پیدا ہوجاتی ہے۔اسے Earth کرنا ضروری ہے ورنہ یہ اندر کہیں Spark کرجائے گی اور یہ ٹینکر ہی اُڑ جائے گا۔کوئی آدمی ہے،اس نے لوہے کی کوئی چیز Touch کی تو اس پر Spark ہوگا،ہوسکتا ہے کہ آگ لگ جائے۔

جہاز بھی پہلے پہلے اُڑے تو یہ اوپر جنریٹر پر چل رہے ہوتے ہیں۔اس کی اپنی لائنیں بھی ہوتی ہیں، سارا سسٹم ہوتا ہے،وہ سارا Earthing سسٹم ہوتا ہے۔جہاز اور یہ Ship بھی جو ہیں یہ Earthing سسٹم پر چل رہے ہیں۔ان میں Charge وہیں جمع ہوتا ہے۔پہلے پہلے جو آدمی اُترا،اس نے جیسے ہی زمین پر ایک پیر رکھا،اسے کرنٹ پڑا۔وہ Earth ہوگیا اور گر پڑا۔اس سے پتا چلا کہ یہ جہاز جب اوپر اڑتا ہے تو یہ پورا چارج ہو جاتا ہے۔پھر انہوں نے ایک پہیہ جو ہے اس کے ساتھ بھی Tail کے ساتھ ایسے تاریں لگا دیں۔پہلے Tail والے جہاز ہوتے تھے۔یہ اس لئے کہ جب جہاز Land کرتا ہے تو یہ تار Run way کے ساتھ Touch کر جاتی تھی اور وہ Earth ہو جاتا تھا۔بعد میں Materlized ربڑ بنایا۔ربڑ جس میں اندر سے بجلی جا سکتی ہے۔اس کو اندر Matel کے Elements لگا کے

Manufacture کیا۔مطلب یہ کہ ان میں ربڑ سے بجلی گزر سکتی ہے۔Tail بھی جو تھا وہ Materlized ربڑ کا بنایا، جہاز Touch کرے تو وہ Earth ہو جائے۔تب بچا وہ سسٹم ورنہ اس میں Electricity پیدا ہو جاتی تھی۔اسی طرح یہ ٹینکرز میں بھی سب میں ہوتی ہے، جس پائپ میں بھی جہاز کا پٹرول اندر Flow ہو رہا ہے تو اس میں Electricity پیدا ہو جاتی ہے۔اس کو Banding کہتے ہیں کہ Electrical band ہونا چاہیے۔راستے میں نائلون کی تاریں وہ جو Connector لگا دیتے ہیں، اس میں اِدھر بھی ایک سرا لگاتے ہیں اور دوسری طرف بھی ایک سرا لگا ہوتا ہے، تو وہ وہاں پر Discontinue ہو گئی۔

یہ جو بجلی کھمبوں کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔اس میں اِدھر تار لگی ہوتی ہے اور اُدھر تار لگی ہوتی ہے، اس کو Jumper کہتے ہیں۔بجلی اس سے جاتی ہے۔یہ تو کھمبے کے ساتھ بندھی ہوتی ہے۔بجلی کیلئے وہ Piece لگاتے ہیں، اس میں بھی V-Shift ہوتا ہے۔اس میں بھی Jumper لگاتے ہیں کہ اس پائپ کے اندر کرنٹ جا رہا ہے۔اب یہ اوپر اندر ہی ربڑ چڑھا دی ہے (یہ بجلی) اندر ہی Jump کر گئی تو اندر ہی Spark کر جائے گی۔آگ لگ جائے گی۔ اِدھر وہ ربڑ کا Jumper لگاتے تھے کہ اس کے نیچے نیچے ایک پتری اس کے ساتھ Touch کرا کے Jump کرائے جو اگلی تار کے ساتھ Touch ہو۔ان کو Electrical jumper ہی کہتے ہیں تا کہ اس میں Electricity پیدا بھی ہو تو وہ Jump کر جائے ورنہ وہ Spark کر جائے گی۔یہ ٹینکر کے نیچے جو چینیں لگی ہوتی ہیں وہ اسی لئے لگی ہوتی ہیں تا کہ یہ Static electricity کو Earth کریں۔جہاز کے ساتھ، جہاں جہاز کھڑا ہوتا ہے وہاں اور Runway کا Ramp جو بنا ہوتا ہے اس میں ہر جگہ Block بنا ہوتا ہے۔وہاں فاصلے پر وہ Copper کی ایک خاص جالی بنی ہوئی اندر پانچ پانچ، چھ چھ فٹ تک نیچے وہ ہر جگہ پر لگی ہوتی ہے۔تھوڑا سا ٹکڑا باہر نکلا ہوا سارے Run way پر ہوتا ہے۔جہاں بھی گاڑی

آ گئی پٹرول لینے کیلئےتو وہ پائپ نکالیں گے۔اس میں وہ Earthing ریل ہوتی ہے، وہ کھلے گا، وہ Earth پر لگائے گا، جہاں وہ پارک ہو۔ایک زمین کے ساتھ، دوسری اس کی بوتل کی جہاز کے ساتھ، تیسری جہاز جو ہے وہ Earth کے ساتھ۔ جہاز بھی Earth کے ساتھ۔گاڑی اس کے ساتھ، جہاز کے ساتھ،اور پائپ جو لگائے گا اس کے ساتھ بھی ایک چٹکی سی لگی ہوگی، پھر وہ جہاز کے ساتھ لگائے گا۔ ٹینک کے ساتھ پھر پٹرول Flow ہو گا کہ کہیں بھی Static electricity جو ہے یہ Spark نہ دے۔ جوتے بھی ان کے ربڑ والے یا وہ جو پٹھانوں کے بنے ہوتے ہیں نیچے سے پرالی والے۔ وہ ایسے بنے ہوتے ہیں کہ آپ کے Shoes جو ہیں وہ Nails والے نہ ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ان سے Spark پیدا ہو جائے۔ تار بھی بڑی موٹی اور Square آگے Copper کی تا کہ وہ Flame باہر نہ جا سکے۔ یہ عام نہیں ہوتے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ پٹرول پمپ میں ماچس جلا جلا کے دیکھتے ہیں ٹینکر میں کہ آگے تیل کتنا رہ گیا ہے۔اس سے تو وہ اُڑ جاتا ہے۔اس (جہاز) میں Static electricity کو سٹاپ کرنے کیلئے یہ سب کیا جاتا ہے۔ جہاں بم وغیرہ ہوتے ہیں وہاں پٹرول اور اس کی Building میں بھی وہ اوپر بجلی کی Earthing کیلئے لگائے جاتے ہیں۔ بجلی کی Earthing کیلئے وہ Building بھی Statically earth ہونی چاہیے۔ تاریں باہر نکال کر اوپر لگائی ہوتی ہیں۔ نیچے سے تار کو اوپر سے لے جا کر زمین میں نیچے پانچ، چھ فٹ اس میں کوئلہ اور چونا وغیرہ ڈال دیا جاتا ہے تا کہ نمی رہے۔ اس میں اس (بلڈنگ) کو Earth کر دیتے ہیں۔ Lighteing conductor بھی آسمانی بجلی کے لئے ہوتا ہے۔ با قاعدہ بورڈ وغیرہ لگا دیا جاتا ہے کہ اتنی Resistance ہو۔ وہ ریکارڈ کر کے لے جاتے ہیں کہ ہم نے اس کو ٹیسٹ کیا ہے تا کہ وہ بم ہیں اور پٹرول Dump ہے۔ کہیں اس کو بجلی پڑے اور یہ شارٹ نہ ہو جائے۔ وہ (بجلی) فوراً اس میں سے Conduct ہو کے نیچے چلی جائے گی۔ یہاں بھی جو اونچی Buildings ہیں ان میں یہ (Lighteing conductor) لگانا چاہیے۔ خاص طور پر

جوشہر میں اونچی ہیں، ان میں ضرور لگانا چاہیے۔اگر Clouds کبھی نیچے آجائیں تو سب سے اونچی جو Building ہے، اس پر ہی گریں گے۔سب سے اونچا جو درخت ہوگا اس پر بجلی گرے گی۔اس لئے کہتے ہیں کہ اگر بجلی گرج چمک رہی ہو تو درختوں کے نیچے پناہ نہ لو۔

اب یہ Electricity جیسے جاتی ہے تو یہ Static بھی ایسے ہی جاتی ہے۔اس کا سارا پروگرام ویسے ہی ہوتا ہے۔اس لئے کہتے ہیں کہ جب تمہیں بجلی کی کڑک کی آواز آجائے ناں شاہ۔تو سمجھ لو کہ اب یہ تم پر نہیں گرے گی۔اگر آپ نے بجلی کی کڑک سُن لی ہے تو یہ آپ پر نہیں گرے گی۔وہ پہلے ہی گر چکی ہے۔آواز تو بعد میں آتی ہے۔اگر آپ نے کڑک سن لی تو سمجھ لو کہ آپ بچ گئے۔کڑک بعد میں آتی ہے، بجلی پہلے گرتی ہے۔جتنی دور بادل ہوگا اتنی دور سے دیر بعد آواز آئے گی۔چمک پہلے ہی نظر آجائے گی۔اس کا مطلب ہے کہ جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔وہ سب چمک میں ہی ہو گیا۔آواز کی سپیڈ کم ہے، لائٹ کی سپیڈ جو ہے وہ زیادہ ہے۔لائٹ کی سپیڈ ۱۸۶،۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے۔آواز کی سپیڈ ۷۶۰-۷۶۲ میل فی گھنٹہ ہے۔

یہ جہاز جو Sound barrier کراس کرتے ہیں تو بڑے بڑے دھماکے ہوتے ہیں۔پتا نہیں کیا ہوگیا، کوئی بم گر گیا، یہ اصل میں Sound barrier کراس کرتے ہیں۔ Normal plane تو ایسا نہیں کرتے۔جہاز نے Drive کیا اور Sound سے اس کی سپیڈ زیادہ ہو جائے تو زمین پر زوردار دھماکہ ہوتا ہے جیسے بم گرا ہے۔

محفل میں موجود بھائی نے کہا کہ باباجی! وہ جو Concord جہاز شروع ہوا تھا، وہ ساؤنڈ سے تیز تھا، لوگوں کے گھروں کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹنا شروع ہو گئے تو اسے Ground کر دیا گیا۔ باباجانؒ نے فرمایا: ہاں جی وہ چلا تو تھا مگر بعد میں کسی اور وجہ سے Ground کر دیا گیا تھا۔

بھائی جان نے کہا: وہ پائلٹ کبھی کبھی Sound barrier کوتوڑتا تھا تو آواز پیدا ہوتی تھی۔

باباجانؒ نے فرمایا کہ توڑتا تو تھا اس نے، جب اس نے Above sound جاتا ہے تو اس نے توڑنا تو ہے۔ اسی طرح Concord تو جہاز کا نام تھا، اور وہ SST تھا۔ Super Sonic Transport۔ وہ ہے Super Sonic تو اس نے Sonic کوتو کراس کرنا ہی ہے۔ Take off کرکے اس نے Sonic کوکراس کرہی جانا ہے۔ پھر اس نے امریکہ جانا ہے۔ کہتے تھے کہ اگر فرانس سے دس (۱۰) بجے بیٹھیں تو اس پر امریکہ میں نو(۹) بجے پہنچتے تھے۔ وقت سے ایک گھنٹہ پیچھے۔ اُدھر Timing ایسے ہو گی۔ یہاں (فرانس میں) دس بجے ہوں گے اور وہاں (امریکہ میں) واقعی نو بجے ہوں گے۔ جب وہ Concord ہے ہی Super Sonic تو اس نے Sonic کوتو توڑنا ہی توڑنا ہے۔ Take up کرتے ہی توڑے گا۔ اس سے جونزدیک والے Airport جو تھے، ان میں بڑا شور ہوا کہ ہم اسے نہیں اُڑنے دیں گے۔ یہ ہماری نیندیں خراب کرے گا، شیشے توڑے گا، اور Vibrations۔ اس پر بڑے Protest ہوئے تھے کہ ہم اسے نہیں اڑنے دیں گے۔ وہ تو Super sonic ہے، اس نے Barrier تو ہر دفعہ توڑنا ہی ہے۔ ہر دفعہ اس نے ۱۲ سے کلومیٹر فی گھنٹہ سے اوپر ہی اڑنا ہے۔ وہ Super sonic تو تھا ہی مگر اس میں اور کچھ Defects detect ہو گئے تھے۔

جناب محمد یعقوب صاحب توحیدی نے فرمایا کہ اب اسی کمپنی نے ایک اور جہاز بنا دیا ہے، جس میں More than seven hundred passengers at a time سفر کر سکتے ہیں۔ اسے وہ چلا رہے ہیں۔ K-30 ہے وہ۔

باباجانؒ نے پوچھا کہ چلا رہے ہیں؟

جواب ملا کہ چلا رہے ہیں۔

باباجانؒ نے فرمایا کہ خطرناک ہے ہی وہ۔

باباجانؒ کو بتایا گیا کہ اس (جہاز) میں Swimming pool بھی ہے۔

باباجانؒ فرمانے لگے کہ سوئمنگ پول کا جہاز میں کیا کام؟ یہ Ship میں تو چلو ہوسکتا ہے۔ اتنی دیر تو وہ وہاں کپڑے اتارنے کی اجازت نہیں دیتے ہوں گے، وہ اتنا High speed ہے کہ پہنچ جائے اُدھر۔ اتنے بڑے جہاز میں خدانخواستہ کوئی نقصان ہوگیا تو بہت بڑا ہوگا۔ اتنا بڑا Death rate۔ جہاز ہے آخر۔ کوئی نہ کوئی Fault ہوسکتا ہے۔ یہ Man made مشینری ہے۔ اس میں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ اتنا بڑا نقصان جو ہے وہ بڑا صدمہ ہوگا کہ اتنے بندے مر گئے ہیں۔ حالانکہ زمین کے حادثات میں زیادہ لوگ مرتے ہیں لیکن وہ جہاز میں اکٹھے ہوتے ہیں تو بڑا دُکھ ہوتا ہے کہ اتنے (بندے) مر گئے۔ سارا سال چلتے رہتے ہیں، کوئی خبر نہیں آتی کہ جہاز کوئی گرا۔ وہ ایک بھی گر جائے تو کہتے ہیں کہ لو جی فلاں جہاز گر گیا۔ روڈ پر روزانہ ہی مرغیاں ذبح ہوتی رہتی ہیں لیکن اُدھر جہاز میں اکٹھا ہوتا ہے تو کہتے ہیں لو جی ملتان میں گر گیا۔ اسلام آباد میں گر گیا۔ اکٹھی Deaths جو ہیں، وہ بڑی Tragic ہوتی ہیں کہ سب جل گئے، Bodies کے ہاتھ، پیر کا سرا بھی قابو نہیں آتا۔ وہ سارے جذباتی مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔ Boxes بند کرکے وہ لے جاتے ہیں کہ لو جی اس کو کھولنا نہیں ہے۔ ۱۸۰۰ افراد کا جہاز اگر خدانخواستہ گر جائے تو اتنا بڑا Tragic بھی برداشت کرنا مشکل ہوگا۔ آدمی کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ کہیں بھی فلاپ ہوسکتی ہیں۔ Safety جو ہے اس کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے حادثات ہوجاتے ہیں۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام:

سیّد عبداللہ شاہ و سیّد رحمت اللہ شاہ

مورخہ: 01-03-2000

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ!

آپ کے خطوط ملے۔اللہ تعالیٰ خصوصی فضل فرماتے ہوئے روزگار کیلئے مناسب انتظام جلد فرمائے اور ہر قسم کی پریشانی سے بچائے۔(آمین!)

رحمت اللہ شاہ کو تاکید ہے کہ صحیح ترتیب سے چلیں نہیں تو گڑبڑ ہو جاتی ہے۔نماز کو اوّلیت حاصل ہے،ذکر اس کے بعد ہے۔ہمارا ازلی دشمن (شیطان) ہر وقت ہماری گھات میں رہتا ہے کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چھوڑ دیں۔یہ آواز باہر سے آئے یا اندر سے اس کی مخالفت واجب ہے تا کہ راہِ راست سے بھٹک نہ جائیں۔ قرآن کے احکام کی تلوار ہی سے شیطان کو گھائل کیا جا سکتا ہے ورنہ اسے مارا نہیں جا سکتا کیونکہ یہ تو خون کے اندر گردش کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی راہ میں استقامت نصیب فرمائے اور شیطان کے مکروفریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین!

عزیزان غلام محمد شاہ اور عطاء اللہ شاہ کی تعلیم میں بہتری کیلئے ہر تدبیر کریں لیکن خوش اسلوبی کے ساتھ۔اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اوپر احکم الحاکمین بھی بیٹھا ہوا ہے،جس کے فضل و کرم کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔وہ اگر کوئی بات نہ چاہے تو ہماری ساری کوشش مطلوبہ نتائج پیدا کرنے سے قاصر ہوتی ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ

"میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اپنے ربّ کو پہچانا۔"

عبداللہ شاہ صاحب جو والد صاحب کی ڈائری ترتیب دے رہے ہیں، اُمید ہے وہ کام احسن طریقہ سے پورا کریں گے تا کہ خلق خدا کی بھلائی کے کام میں مدد ملے۔اللہ تعالیٰ

آپ سب بھائیوں کو اپنی رحمت سے ہر امتحان میں کامیاب فرمائے۔آمین!

مورخہ: 11-04-2000

آپ کا خط ملا۔رزلٹ سے آگاہی ہوئی۔آپ کا اپنا دل ہی آرمی سروس سے مطمئن نہ تھا تو کام کیسے بن سکتا تھا۔اللہ تعالیٰ آپ کیلئے ایسی سروس کا انتظام فرمائیں جس میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہو۔

آپ کوہاٹ میں انفرادی رکاوٹیں طے کرنے کی بجائے سلوک طے کر رہے تھے کہ زندگی میں کوئی ہدف مقرر کرو پھر اس کے حصول کیلئے پورا زور لگا دو۔جب یہ حاصل ہو جائے تو اس سے بلند تر مقام کیلئے کوشش شروع کر دو۔آپ بھی وہاں یہی کر رہے تھے۔بورڈ والوں کو بھی آپ نے پریشان کر دیا ہے۔آپ کے دوسرے امتحانوں میں کارکردگی اتنی عمدہ تھی کہ وہ آپ کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے،اسی لئے بار بار آپ کو اپنی مشاورت کے ساتھ اور سہولتیں دے کر رکاوٹیں عبور کرنے کیلئے ٹیسٹ کر رہے تھے۔خیر جو ہوا،سو ہوا۔کوئی فکر کی بات نہیں۔یقیناً اسی میں بہتری ہے۔اللہ رحیم و کریم دستگیری فرمائے گا۔

مورخہ: 23-05-2000

سالانہ اجتماع کے بعد کچھ ہالیڈے موڈ بھی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی سارے بھائی ایک سرور کی کیفیت میں بھی ہوتے ہیں۔مزید برآں گرمی کی شدت نے بھی سستی پیدا کر رکھی ہے۔لاہور ہڑتالوں کی خبروں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔فلک سے خشک سالی کے نزول سے پاکستان کا ایک حصہ مصیبت میں گرفتار ہے۔سب حالات میں بہتری کیلئے دُعا کرتے رہیں۔اللہ تعالیٰ حکمرانوں کی راہنمائی فرمائے اور انہیں راہِ راست پر چلائے۔آمین! مرکز تعمیر ملت کیلئے میں خود

چاہتا ہوں کہ یہ کام جلد مکمل ہو جائے تا کہ یہ ٹرسٹ کی صورت میں قائم ہو جائے ۔ بھائی اس پر کام کر رہے ہیں۔ آپ کا خط آنے پر دوبارہ شیخ اسلم صاحب کو یاددہانی کرائی، جس میں آپ کے مشورہ کا بھی ذکر کیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ کام درست طریقہ سے انجام پائے گا۔ اور آئندہ اس میں ہیرا پھیری نہ ہو سکے گی ۔ جس طرح طریقت توحیدیہ کے ضمیمہ میں صاف صاف وضاحت کر دی گئی ہے، اسی طرح اب مرکز کے سلسلے میں معاملہ فُول پروف بنانے کی سعی ہو گی۔

آپ نے رضا علی شاہ صاحب کو لاہور کی جو دعوت دی وہ بہت خوب کیا۔ اُن کے آنے سے محفل رنگین ہو گئی ہو گی ۔ لیکن ان کو نظر لگ گئی ہے۔ اُن کا خط آیا تھا کہ کسی کتے نے کاٹ کر انہیں کافی زخمی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کاملہ سے نوازے۔ آمین! آپ بھی دُعا کیجئے گا۔

سلسلہ کے معمولات پر عمل سے بلاشبہ حصول برکات میں تیزی آجاتی ہے۔ سونے سے قبل والا پاس انفاس بڑا پُر تاثیر ہے ۔ یہ وقت زیادہ موزوں ہے ۔ آپ مجلّہ کیلئے ضرور لکھتے رہیں۔ آپ بہت اچھا لکھتے ہیں۔ اگر چہ Perfection ہمارا آئیڈیل ہونا چاہیے اور فقیر کو ہمیشہ بہتری کے سفر میں آگے بڑھتے چلے جانا چاہیے لیکن ساتھ ہی ساتھ اچھی بات کہنے اور دوسروں کی اصلاح کا کام بھی جاری رہنا چاہیے ۔ علامہ بھی اگر چہ کہہ گئے کہ گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا۔ لیکن پھر بھی گفتار میں محو پرواز رہے ۔ پھر گفتار کا معیار کردار کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مزید محبت سے نوازے ۔ ساتھیوں کی اصلاح کی توفیق دے اور ملازمت جلد انتظام فرمائے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

(سیّد خورشید احمد گیلانی)

اپنوں اور غیروں کے قلم اور کلام کی تان یہاں آکر ٹوٹتی ہے کہ مذہب تصوف انسان کو ترک و تجرد، گوشہ نشینی، عافیت پسندی، زندگی سے گریز، مسائل حیات سے فرار رہبانیت، سہل کوشی اور یاس و نا اُمیدی کی تعلیم دیتا ہے، ارباب تصوف اپنے من میں مست رہتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ مسائل زندگی کیا ہیں؟ تمدنی و معاشرتی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ نظام مملکت کیسے چل رہا ہے، معاشرہ میں کہاں کہاں اور کون کون سی خرابیاں رونما ہو چکی ہیں؟ ان کا سدِ باب کیسے ممکن ہے؟ رعایا کے حقوق کیا ہیں اور سربراہِ مملکت کے فرائض کیا ہیں؟ امر بالمعروف کی دین میں اہمیت اور نہی عن المنکر کی وقعت کیا ہے؟ غرض ایسے سوالات پیدا کیے جاتے ہیں جو سارے نہیں تو اکثر یا تو اپنے دماغ کی اختراع ہوتے ہیں یا غلط فہمیوں کی پیداوار، کہا جاتا ہے، صوفیاء اپنے جھونپڑوں میں رہے، انہیں کیا معلوم ارباب حکومت عوام پر کیا مظالم ڈھا رہے ہیں؟ وہ حق ھو کی گردانوں میں مصروف انہیں کیا خبر کہ حدود اللہ کو کس بے دردی سے پامال کیا جا رہا ہے؟ وہ مجاہدوں و مکاشفوں میں منہمک، کیا جانیں کہ اقامت دین کی تحریک اور اُس کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟ وہ طویل قیام و سجود اور رکوع و تشہد میں مشغول، انہیں کیسے پتہ چلے کہ "جہادِ زندگی" کیا ہے؟ یہ ہیں وہ باتیں جو لہجے اور پیرائے بدل کر اور پلٹ پلٹ کر کہی جاتی ہیں۔

کاش! اعتراض کرنے، الزام دھرنے اور منفی فیصلہ کرنے سے پہلے صوفیائے کرام کی زندگیوں کا بھرپور مطالعہ کیا ہوتا اور اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا ہوتا، پھر پتہ چلتا کہ کٹیا میں رہنے والے ان بزرگوں نے کتنے ایوانوں میں زلزلے برپا کیے، ان خرقہ پوشوں نے کتنے

سرپرآراؤں کولرزہ بر اندام کیا، ان کی عقابی نگاہوں نے کن کن کا پتا پانی کیا، حق کے ان غیور فقیروں نے کتنے بادشاہوں کے چہروں پرشکنیں اُبھاریں، ان جانبازوں اور سرفروش مجاہدوں نے پروانے کی خاموشی کے ساتھ کس ادا سے اپنی جانیں نذرِ محبت کیں، یہ لوگ پا پیادہ سکندرانہ جلال وقلندرانہ ادائیں لے کر کہاں کہاں پہنچے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا، کن زہرہ گداز اور جگر پاش حالات سے گزر کر انہوں نے حق کا علم بلند کیا، کتنے ایسے کج کلاہ ہوئے جن کی تندی ونخوت کو اپنے پاؤں پر رکھا، سینکڑوں واقعات ہیں جہاں ان بزرگوں نے گردن جھکانے پر کٹوانے کو ترجیح دی، لیکن یہ حقائق تو اس وقت اپنی اصل شکل میں ہمارے سامنے آتے جب ہماری آنکھوں پر رنگین شیشے نہ ہوتے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہ صرف ”جہادِ زندگانی“ کی اصل رمز سے آگاہ تھے بلکہ ان کی زندگانی سراسر جہاد سے عبارت تھی، جہاں انہوں نے گلی کوچوں میں تبلیغ ونصیحت کی وہاں بڑے بڑے ایوانوں میں بھی صدا بلند کی اور اس قوت، شدت، اخلاص اور بے نیازی سے حق کا پرچار کیا کہ انبیاء کی سیرتیں نظروں میں گھوم گئیں، دل میں وہی جذبہ نظروں میں وہی بے باکی، چہرے پر وہی اعتماد وسکون، زبان پر وہی کھرے جملے، بیان میں وہی طنطنہ، انداز میں وہی ولولہ، عمل میں وہی اخلاص، طبیعت میں وہی قناعت وتوکل اور چال ڈھال میں وہی بے نیازی جو منصب نبوت کے حاملین کی سیرتوں میں دکھائی دیتی ہے، انہوں نے نہ صرف بگڑے نوابوں، بدمست جاگیرداروں، جابر وظالم بادشاہوں، بے لگام حکمرانوں، عیش وعشرت میں غرق وزیروں کو للکارا اور برسرِ عام للکارا بلکہ ان کی تنقید کا ہدف وہ علماء بھی بنے جو اپنے عالی منصب سے فروتر، بادشاہوں اور جاگیرداروں کی خوشامد کو اپنا دین سمجھے ہوئے تھے، ان فقہاء پر بھی برسے جن کی قبائیں اُن کے فتویٰ فروشی کے باعث بے گناہ خون سے لتھڑی ہوئی تھیں، ان مفتیوں کا تعاقب کیا جن کی حیلہ جوئیوں اور فریب سازیوں کی وجہ سے دین بازیچہ

اطفال بن کر رہ گیا تھا، اُن زاہدوں کی بھی خبر لی جو کنج خمولی میں مسائل زندگی سے بے خبر تصوراتی دنیا میں گم سُم تھے، جنہیں کسی بیوہ کے سر سے دو پٹہ اترنے، کسی کی بیٹی کے پیرہن نُچنے، کسی یتیم کے اُجڑنے اور کسی غریب کے لٹنے کا کوئی احساس نہ تھا۔ وہ خطیب بھی ان کی حق گوئی کی سان چڑھے، جن کے خطبے خشک، وعظ بے تاثیر، تقریریں بے روح اور مقالے بے جان تھے، جن سے نہ آنکھوں میں عشق کا سرور اور نہ چہرے پر یقین کا نور پیدا ہوتا، المختصر صوفیوں کا مقدس گروہ جہاں جہاں پہنچا، تبلیغ و نصیحت کا حق ادا کرتا، حق گوئی کے پرچم گاڑھتا، بے باکی کے پھریرے لہراتا اور اخلاص و سوز کے نشانات چھوڑتا گیا۔

صوفیائے کرام کو جہاں کوئی خلافِ شرع کام نظر آیا فوراً ٹوکا، جہاں قرآن و سنت سے تجاوز کا رجحان دیکھا سدِ راہ بن گئے، جہاں بدعت کو سر اُٹھاتے پایا، وہیں کچل دیا، جہاں کوئی بات دین اسلام کے منافی سامنے آئی اس کے استحصال کی بھرپور کوشش کی، جب بھی اور جہاں بھی محسوس کیا کہ اللہ کی حدود اور اسکے رسول اللہ ﷺ کے طریقوں کو نظر انداز کیا گیا ہے، اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ کون اس فعل کا مرتکب ہے، فوراً نیام زبان سے شمشیر حق نکالی اور نخوت و کبر سے بھرے کلاہ داروں انانیت و غرور سے سرشار عمامہ پوشوں، کروفر کے نشے میں دھت سریر آراؤں کی اکڑی گردنیں ہوا میں اچھال دیں اور ان کی تندی خاک میں ملا دی، جب اور جہاں موقع ملا حق کی بات سنا دی، بھرے دربار میں چوبداروں کے درمیان تخت و تاج سے آراستہ و پیراستہ جلوہ افروز دیکھا تو حق بات کہنے میں تامل نہ کیا۔ حق گوئی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا تو بہر طور نبھایا خواہ کوئے یار میں موقع ملا، یا سوئے دار جانا پڑا، اب ہم ان تاریخی حقائق کا جائزہ لیتے ہیں جن سے یہ معلوم کرنا آسان ہو جائے گا کہ صوفیائے کرام نے تبلیغ حق اور نصح، خیر کا فریضہ بڑی بے باکی اور جواں مردی سے سرانجام دیا اور حق گوئی و بے باکی کی ایک نئی تاریخ رقم کر دی جو نظام

مصطفیٰ کے علمبرداروں کیلئے بجا طور پر مشعل راہ کا کام دے سکتی ہے۔

خواجہ فریدالدین عطارؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید اپنے معتمد وزیر کے ہمراہ حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ کے در دولت پر حاضر ہوا، اور دروازہ کھٹکھٹایا پوچھا کون؟ وزیر نے جواب دیا۔" امیر المومنین" ۔خواجہ فضیلؒ نے فرمایا، امیر المومنین کا مجھ سے کیا کام؟ اور مجھے اُن سے کیا واسطہ؟ وزیر نے کہا کہ بادشاہ کی اطاعت واجب ہے۔فرمایا مجھے حیران نہ کرو، وزیر نے کہا اندر آنے کی اجازت دو، ورنہ ہم حکماً اندر آجائیں گے فرمایا اجازت تو نہیں دیتا ،حکماً اندر آسکتے ہو، چنانچہ خلیفہ اور وزیر اندر آگئے ،خواجہ فضیلؒ نے چراغ گل کردیا تا کہ ہارون الرشید کو نہ دیکھ سکیں ،اسی اثناء میں ہارون کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے چُھو گیا ،فرمایا، کیسا نرم ہاتھ ہے ،کاش کہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے ،خلیفہ نے درخواست کی ، کچھ نصیحت فرمایئے !جواب دیا، تیرا باپ پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا چچا تھا اس نے درخواست کی تھی کہ مجھے کسی صوبے کا حاکم بنا دیجئے ،حضور ﷺ نے فرمایا: "یا عمر بك نفسك یعنی اے چچا! تجھے تیرے نفس کا امیر کیا"۔ہارون الرشید نے کہا کہ کچھ اور فرمایئے ،فرمایا: یہ ملک تیرا گھر ہے اور رعایا تیری اولاد، ماں باپ کے ساتھ نرمی ،،بہن بھائیوں پر مہربانی اور نیک سلوک کر،اگر کوئی مفلس بڑھیا رات کو بھوکی سو جائے گی تو قیامت کے دن وہ بھی تیری دامن گیر ہوگی اور تیرے ساتھ جھگڑے گی۔"

اس واقعہ میں بادشاہوں سے بے نیازی، اُمراءوزراء سے بے رغبتی ،مملکت کی ذمہ داریوں کو با احسن پورا کرنے کی تلقین ، وعظ و نصیحت اور فکر آخرت نمایاں ہے، شفیق سے شفیق باپ بھی اتنی نرمی اور پیار سے بیٹے کو زمانے کے نشیب و فراز سے آگاہ نہیں کرتا ہوگا، جتنی شفقت و محبت سے خواجہ فضیلؒ نے ہارون الرشید کی رہنمائی فرمائی ۔دینی اُخوت، ایمانی ہمدردی اور انسانی مروّت لفظ لفظ سے ٹپکی پڑتی ہے، زبان سے ادا ہونے والا ہر حرف اخلاص وسوز لئے ہوئے اور

انداز دامن میں اپنائیت سموئے ہوئے ہے۔ رہا یہ سوال کہ خلیفہ وزیر کے آنے پر دروازہ نہ کھولنا اخلاق کے خلاف ہے، اس بارے میں باور کرانا مقصود تھا کہ حق کے علمبردار کبھی قرب شاہی کیلئے بے قرار نہیں ہوتے، یہی وہ بے نیازی ہے جو بات میں، تقریر میں شہد و شیر کی مٹھاس بھر دیتی ہے اور دل کے لوہے کو مقناطیس کی طرح اپنی جانب کھینچ لیتی ہے، یوں ایک تیر سے دو شکار ہو جاتے ہیں، اس واقعے کو پیش نظر رکھنے کے بعد اس الزام میں کتنا وزن باقی رہ جاتا ہے کہ صوفیائے کرام کو ملک اور ملکی حالات کی کچھ خبر نہیں ہوتی، کجا کہ انہیں دلچسپی ہو، عباسی خلافت ہی کے ایک تاجدار خلیفہ المنصور کا واقعہ ہے، حضرت سفیان ثوریؒ نے حج کے موقع پر منیٰ کے میدان میں خلیفہ المنصور کو پکڑ لیا اور کہا: اے امیر المومنین! حضرت عمرؓ نے ایک حج کے عام مصارف پر سولہ دینار خرچ کیے تھے، آپ نے اللہ اور اُمت محمد ﷺ کا بے شمار مال بغیر اجازت صرف کیا ہے، آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔! منصور لا جواب ہو گیا، بعد میں انہیں (سفیان ثوریؒ) حکومت میں منسلک کرنا چاہا تو وہ روپوش ہو گئے۔"

صوفیائے کرام عافیت کوش، خلوت پسند اور امور دنیا سے گریزاں ہوتے ہیں۔

ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا سلطان سنجر، پورے خراسان کا حاکم تھا، نمود و نمائش کا رسیا اور زرق برق لباس پہننے کا دل دادہ، جب نکلتا تو خدام و حشم کی فوج لے کر نکلتا، چوبداروں کی ایک جماعت ہٹو بچو! کی صدائیں بلند کرتی، شاہانہ کرّ و فراس کی ایک ایک بات سے ٹپکتا تھا، ایسی ہی ایک تقریب میں امام غزالیؒ نے اسے خطاب کر کے کہا:

"افسوس! مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں اور تیرے گھوڑوں کی گردنیں طوق ہائے زریں کے بار سے۔"

جب بھی صوفیائے کرام نے دیکھا کہ اقتدار کی امانت کو نااہل ہاتھوں کے سپرد کیا جارہا ہے اورعوام کی گردنوں پر فاسق و فاجر کو بٹھایا جارہا ہے تو ان کا ردِّعمل کیا تھا؟اس سلسلہ میں سلطان شمس الدین التمشؒ کی نیک خوئی، انصاف پروری تقویٰ شعاری اوراولیاءدوستی سے زمانہ واقف ہے۔ یہ بظاہر بادشاہ بباطن درویش ،نرالے مزاج کا آدمی تھا، اچھے اوصاف اور بہترین خوبیوں کا مالک بادشاہ اولیاءاللہ کی نظروں میں محبوب تھا اور اُسے بھی اُن سے بے پناہ محبت و عقیدت تھی، ملتان کے گورنر ناصرالدین قباچہ نے جب سلطان کے خلاف بغاوت کی تو شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی نے خط لکھ کر سلطان شمس الدین کوصورت حال سے آگاہ کرنا چاہا، خط راستے میں پکڑا گیا قباچہ سخت پیچ پا ہوا، جب پرسش ہوئی تو نہ صرف آپ نے خط لکھنےاور بھیجنے کا اقرار واعتراف کیا بلکہ گورنر کواس کی غلط روش اور فاسدارادے سے آگاہ بھی کیا اورخبردار بھی، جس سے مسلمانوں کو ناجائز تکلیف اُٹھانے اور پریشان ہونے کے کچھ حاصل نہ ہوتا، آپ نے فرمایا:

''ہاں یہ خط میں نے لکھا ہےاورارشادالٰہی کے مطابق لکھا ہے تمہاری (غلط) کوششوں سے سوائے مسلمانوں کے خون بہنے کےاور کچھ نہ ہوگا۔''

تصوف ایک علمی، اخلاقی، روحانی اور معاشرتی تحریک ہے جس کے اثرات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔تصوف نے جو ذہن اورافراد تیار کیے ہیں وہ بیک وقت عبادت گزاراور تقویٰ شعار بھی ہیں اور علم واخلاق کے علمبردار بھی ،ان کے اندر علمی گہرائی بھی پائی جاتی ہے اور روحانی عظمت بھی، خدمت خلق اُن کا شیوہ ہے تو معاشرتی اصلاح اُن کا وطیرہ، اگر وہ معیت وقرب خداوندی کی طلب میں سرشار ہیں تو دوسری جانب اُن کے دل خلق خدا کی محبت وہمدردی سے لبریز بھی ہیں، ایثاران کا نصب العین ہے اور مروّت ان کی متاعِ حیات، جہاں وہ صدق وصفا کے پیکر ہیں وہیں عطا کے مجسمے بھی ہیں۔ دم گفتگو نرم نظر آتے ہیں مگر دمِ جستجو گرم بلکہ سرگرم دکھائی

دیتے ہیں، حلقہ یاراں میں ابریشم اور رزم حق و باطل میں مانند فولاد ہیں، ایک طرف وہ تبلیغی سرگرمیوں میں منہمک ہیں اور دوسری جانب استیصال باطل کے لئے مصروف عمل، غرضیکہ ایک ایک فرد بجائے خود انجمن اپنی ذات میں تحریک اور انسانی پیکر میں ایک انقلاب ہے، رات کو ان کی آنکھیں خشیت الٰہی سے اشکبار ہوتی ہیں اور دن کو ظالم و جابر کی آنکھوں میں ملائی جاتی ہیں، نماز میں زاری سے جھکی گردنیں دربار میں اکڑی رہتی ہیں، شکستہ مسجد کے خستہ حال موذن کی تکبیر پر دوڑ پڑنے والے، یہ فقیر بادشاہوں کے ہزار بلاوے پر بھی اُدھر کا رُخ نہیں کرتے، خدا کے حضور لرزنے والے یہ انسان ایوان شاہی میں پہاڑوں کی سی مضبوطی کے ساتھ بات کرتے ہیں، مزدور بن کر بیواؤں، ضعیفوں اور مسافروں کا بوجھ اُٹھانے والے، وقت کے بادشاہوں کی اطاعت کے حلقے کا بار گردن پر نہیں سہہ سکتے، یہ بندگان مولا صفات اور قدسی عادات، یہ پاکباز و پاک نفس اپنی زندگی اس شان سے بسر کرتے ہیں کہ ان کی پوری زندگی خدا کی بندگی شمار ہوتی ہے، کیونکہ ان کا ہر قدم رضائے خدا تعالیٰ کی طلب میں اُٹھتا ہے، اور اُن کے ہر عمل کا منتہا ء خدا کی خوشنودی ہے، ان کی نماز، ان کی قربانی ان کی زندگی اور ان کی موت سب ''ربّ العالمین'' کے لئے ہوتی ہے، حق و صداقت کے یہ پیکر جس راہ سے گزرے، ان کے قدموں کی مٹی کا ہر ذرّہ جادہ پیاؤں کے لئے مشعل راہ اور منزل کیلئے سنگِ میل ہوتا گیا اور اُن کے ذرّات راہِ دعوت و عزیمت کی تاریخ کا مستقل عنوان بنتے گئے جو قابل فخر بھی ہیں اور آنے والوں کیلئے قابل تقلید بھی۔

اقبالؒ کا تصوّف

(عبدالرشید ساہی)

پسند آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر میرا کیا ہے؟ شاعری کیا ہے؟

اقبالؒ اُمت مسلمہ کیلئے قدرت کاملہ کا ایک انمول شاہکار جو کہ قلندر کے روپ میں جلوہ گر ہوا، انہوں نے ربّ کبریا کے پوشیدہ علمی خزانے ظاہر کیے اور اللہ تعالیٰ تک رسائی کے راستوں کی نشاندہی فرمادی۔ انہوں نے اپنے پیغام میں عالم اسلام کو خودی اور خودداری کا درس دیا۔ دراصل علامہ اقبالؒ کی شاعری کی سمجھ اس وقت آتی ہے جب کوئی انسان قرآن حکیم کا مکمل مطالعہ کر کے خدائی احکام کو پوری طرح اپنے آپ پر لاگو کر لے۔ کیونکہ علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری میں قرآن مجید کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں۔

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور حق کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اس کی رحمت یہ کب گوارہ کر سکتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا چھوڑ دے۔ چنانچہ ہر دور میں وہ اپنے بندوں کے ذریعے حق کی حمایت اور فلاحِ آدمیت و اصلاح خلق کی خدمت لیتا رہا ہے۔ اور اللہ والوں نے جس خلوص سے یہ خدمت انجام دی اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ علامہ اقبال کا نام بھی ان اللہ والوں کی لسٹ میں شامل ہے۔ اقبالؒ کے تصوف میں تعلیم اور تزکیہ و اصلاح باطن کا طریقہ ارتقائی اور انعکاسی ہے۔ جس کا انحصار صحبت شیخ پر ہے بقول امام ربانی مجدد الف ثانیؒ "تصوف کا تعلق احوال سے ہے۔ یہ زبان سے بیان کرنے کی چیز نہیں" علامہ اقبال فرماتے ہیں:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک تصوف ایسا علم ہے جس میں انسان کو صبر اور شکر کی تلقین کی جاتی ہے۔ ہوا و ہوس اور طمع و لالچ سے پاک زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا جاتا ہے۔ خدائی حدود کے اندر رہ کر پورے وقار سے زندگی بسر کرنے کا گر بتایا جاتا ہے۔ علامہؒ اقبال فرماتے ہیں:

خودی کی خلوتوں میں کبریائی　　خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
زمین و آسمان، کرسی و عرش　　خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

قرآن مجید میں تصوف کے بارے میں ارشاد ربانی ہے "ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء
ترجمہ: "یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے"۔

علامہ اقبالؒ کو نبی رحمت ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت اور عقیدت تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ان کے ایک نہایت مخلص انگریز دوست آرنلڈ نے بات چیت کے دوران نبی رحمت کا نام حرف محمد ﷺ ہی لیا تھا کہ علامہ اقبالؒ نے اس کے منہ پر جذبات میں آ کر تھپڑ رسید کر دیا اور فرمایا ارے بے وقوف تم نے اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور حسین و جمیل محبوب ﷺ کا نام ایسے ہی لیا ہے کہ جیسے وہ کوئی عام انسان ہوں، نہیں نہیں وہ تو تمام عالمین کیلئے رحمت اور اس دھرتی کی جان ہیں فرماتے ہیں:

اقبال یہاں نام نہ لے علم خودی کا موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات
بہتر ہے کہ بیچارے ممولوں کی نظر سے پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات

قرآن حکیم میں تصوف کو تقویٰ ،تزکیہ اور خشیت الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث شریف میں اسے ''احسان'' سے موسوم کیا گیا ہے اور اسے دین کا ماحاصل قرار دیا گیا ہے دراصل تصوف، احسان سلوک اور اخلاص ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں ۔نبوت کے دو پہلو ہیں اور دونوں یکساں اہمیت رکھتے ہیں ۔ایک پہلو کا تعلق جو کہ ظاہری پہلو ہے ۔ تلاوت آیات اور تعلیم وتشریح کتاب یعنی فقہ ہے اور اس کے باطنی پہلو کا تعلق تزکیہ باطن سے ہے جن نفوس قدسیہ کو نبوت کے صرف ظاہری پہلو سے وافر حصہ ملا وہ مفسر ،محدث ،فقیہ اور مبلغ کے ناموں سے موسوم ہوئے اور جنہیں اس کے ساتھ ہی نبوت کے باطنی پہلو سے بھی سرفراز فرمایا گیا ان میں سے بعض غوثیت ،قطبیت ،ابدالیت اور قیومت وغیرہ کے مناصب پر فائز ہوئے مگر ان سب کا سرچشمہ کتاب وسنت ہے ۔یہی مراد نجات ہے قبر سے حشر تک اتباع کتاب وسنت کے متعلق ہی سوال ہوگا جس شخص کی عملی زندگی کتاب وسنت کے خلاف ہے تو وہ شخص ولی اللہ نہیں بلکہ جھوٹا اور شعبدہ باز ہے۔ کیونکہ تعلق مع اللہ کے لیے اتباع رسول ﷺ لازمی ہے ۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ: ''آپ فرما دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے''۔

اقبال مدرسوں نے دانش تو عام کر دی کمیاب ہو گیا ہے جذب قلندرانہ

اسلام تو فرمانبرداری اور قربانی کا تقاضا کرتا ہے خواہشات کی قربانی اللہ تعالیٰ کے قرب کے لیے بہت ضروری ہے۔ دعویٰ تو ہم نبی رحمت ﷺ کی غلامی کا کرتے ہیں مگر عملی طور پر رزلٹ صفر ہے آپ خود مشاہدہ کرلیں عید میلاد النبی ﷺ کی خوشی کی آڑ میں ایسی ایسی بے ہودہ حرکتیں ہو رہی ہیں جن کا دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے نبی رحمت ﷺ کی نعلین مبارک کی تصاویر بنا کر گلیوں میں آویزاں ہو رہی ہیں بعد میں یہ نالیوں میں بہہ جائیں گی۔ نمازوں کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ ٹیپ ریکارڈرز پر اتنی بلند آواز سے قوالیاں سنی جاتی ہیں کہ آذان کی آواز تک سنائی نہیں دیتی۔ گلیوں بازاروں میں میلاد فنڈ سینہ زوری سے وصول کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کو نبی رحمت ﷺ سے پیار ہے تو آپ ﷺ کی 63 سالہ زندگی آپ کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ جسے اپنا کر ہم سب کامیاب ہو سکتے ہیں، جو طالب علم اپنے نصاب کا مطالعہ نہیں کرتے وہ فیل ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں پر عقل کا غلبہ ہے وہ اطاعت کو کافی سمجھتے ہیں لیکن جن پر عشق کا غلبہ ہے وہ اطاعت کے ساتھ اللہ کے ساتھ محبت اور تعلق کو ضروری خیال کرتے ہیں اور اللہ کے دیدار کو زندگی کا مقصد بنا کر زندگی بسر کرتے ہیں علامہ فرماتے ہیں۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملاں، نہ زاہد نہ حکیم

تصوف روح انسانی سے واصل ہونے کا جذبہ ہے اور اپنے من کی کھوج لگانے کا علم ہے ہر شخص کی زندگی روح کے تابع ہے اور ہر روح ازل میں اللہ کو دیکھ چکی ہے جو انسان اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے وہ اس دنیا میں بھی اللہ کو روح کی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو	کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی	بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

اتباع رسول ﷺ

(عبدالقیوم ہاشمی)

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے۔ ترجمہ: ''اے نبی ﷺ! ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو''۔

اگر ہم تاریخ انسانیت پر ایک نظر دوڑائیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ تمام انبیاء و مرسلین کی بعثت کا مقصد انسانوں کو اللہ رب العلمین سے جوڑنا ہی تھا۔ اس آیت مبارکہ سے بھی یہی بات نمایاں ہوتی ہے کہ جو کوئی اللہ کی محبت کے حصول میں سنجیدہ ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے آسان اور مختصر طریقہ اور حل اتباع نبوت کو ٹھہرایا ہے۔ ہمیں بحیثیت مسلمان اپنا جائزہ لینا ہوگا کہ کیا ہم روایتی اور نام کے مسلمان تو نہیں یا اتباع رسول ﷺ کے ذریعے اللہ کی محبت سے بھی بہرہ مند ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم محض رسومات کو اتباع رسول سمجھ رہے ہوں اور محبت خدا سے محروم ہوں۔ لہٰذا جس شخص کی زندگی میں اتباع رسول ﷺ نہیں وہ اللہ کی محبت کے بغیر خود کو کیسے مسلمان کہلا سکتا ہے۔

اسلام میں اللہ کے سوا کوئی شے اہم نہیں۔ اگر اللہ سے محبت کی آرزو ہی دم توڑ جائے تو اسکا اسلام کس گنتی و شمار میں آئے گا؟

اللہ کی معرفت و محبت اور قرب کے حصول کا واحد، آسان اور بہترین مختصر وسیلہ اور راستہ اتباع رسول ﷺ ہی ہے۔ اس کی خاطر ہمیں اتباع رسول ﷺ کے تمام پہلوؤں کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی اشد ضرورت ہے۔ لہٰذا اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اتباع رسول ﷺ کے تقاضے کس طرح پورے کیے جائیں تا کہ ہم اللہ کے محبوب اور مقرب بندوں میں شامل ہو سکیں۔
ایک عام سادہ انسان سے لے کر زیرک اور اعلیٰ ترین ذہانت کے مالک انسان میں اللہ نے

یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ اپنے زمانہ حیات میں اپنے ربّ کو پہچان سکے۔ یہ بات نہ صرف عہدالست سے واضح ہے بلکہ مرنے کے بعد ہر شخص سے خواہ وہ کسان ہو یا کوئی فلسفی و دانشور، یہ سوال کیا جائے کہ "مَــــنْ رَبُّكَ" کیونکہ یہ صلاحیت اور استطاعت ہر انسان کو عطا کی گئی ہے لہٰذا لاعلمی او رغفلت کا وہاں کوئی بہانہ نہ چل سکے گا۔

حضور نبی کریم ﷺ قبل نبوت سے ہی غار حرا میں اللہ کی یاد اور اللہ کی پیدا کردہ تخلیقات پہ غور و فکر فرمایا کرتے تھے۔ قرآن کریم بھی اسی جانب ہماری رہنمائی فرماتا ہے۔

ترجمہ: "بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے (یہ وہ ہیں) جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور غور و فکر اور ہر دم یادِ الٰہی کے نتیجے میں پکار اٹھتے ہیں) کہ اے ہمارے ربّ! تو نے یہ کائنات بے فائدہ نہیں پیدا کی ہے"۔

جب اللہ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون کے پاس بھیجا تو بوقت رخصت انہیں تاکید فرمائی۔ ترجمہ: "جا، تو اور تیرا بھائی (فرعون کے پاس) میری نشانیاں لے کر اور دیکھنا میری یاد میں سستی مت کرنا"۔

جب نمرود نے کہا اے ابراہیمؑ! تو کہتا ہے کہ خدا زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے "قَالَ اَنَا اُحییٖ وَ اُمِیۡت" "میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں" اور ساتھ ہی پھانسی کی سزا والے شخص کو چھوڑ دیا اور کسی بے قصور شخص کو قتل کروا دیا ہے۔ اب جس دلیل سے نمرود ششدر رہ گیا وہ ابراہیمؑ کے کائناتی غور و تفکر کا نتیجہ تھا۔ کہ میرا ربّ مشرق سے سورج نکالتا ہے تو مغرب سے چڑھا۔ "فَبُهِتَ الَّذِی کَفَرَ" یہ سن کر کافر مبہوت ہو کر رہ گیا یعنی لاجواب ہوگیا۔ ان دو مثالوں سے واضح ہوا کہ اللہ کی یاد اور انفس و آفاق میں غور و تفکر ایک بندۂ مومن کے لیے اتباعِ رسول کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کس قدر اہم ہے۔ اس لیے ترجمانِ حقیقت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

فقرِ قرآں! اختلاطِ ذکر و فکر   فکر را کامل ندیدم جز بہ ذکر

اتباع رسول ﷺ کی واضح نشانیاں جو ہمیں اپنے اندر تلاش کرنا ہوں گی وہ درج ذیل ہیں۔

- دل ہر لحظہ یادِ الٰہی میں مشغول ہو
- دل سے دنیا کی محبت رخصت ہو چکی ہو۔
- دل بے اطمینانی، خوف و حزن سے پاک ہو۔
- دل میں اللہ کی محبت کا غلبہ محسوس ہو۔
- دل شیطانی وسوسوں سے پاک ہو۔
- دل پر اللہ کی عظمت و ہیبت اور عزت و جلال کا سکہ بیٹھ چکا ہو۔
- دل تمام معاملات، ہر مشکل اور پریشانی میں اللہ کی طرف متوجہ ہو۔
- مخلوقِ خدا کی خدمت اور فلاح و بہبود کا جذبہ ہر لحظہ پروان چڑھتا ہو۔
- نماز، ذکرِ الٰہی اور دیگر عبادات میں حضوری حاصل ہو۔
- اللہ کے قرب و عرفان میں اضافہ ہو۔
- دل احکامِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ پر خوشی و مسرت محسوس کرتا ہو۔

نفس انسانی اخلاقی برائیوں مثلاً غصہ، نفرت، جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ، بدگمانی، بغض، حسد، تکبر، طولِ امل (یعنی لمبی خواہشات اور اُمیدوں کے چکر میں سرگرداں رہنا) وعدہ خلافی وغیرہ سے نجات پا چکا ہو۔

نفس انسانی اعلیٰ اخلاقی خوبیوں مثلاً حلم و برداشت، عفو و درگزر، محبت و صداقت، نرمی و خوش مزاجی، عاجزی و انکساری، سخاوت و ایثار اور قربانی، رحم و کرم وغیرہ کو اختیار کر چکا ہو۔

اگر آپ غور فرمائیں تو سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات ہمیں مذکورہ بالا کیفیات اور مکارمِ اخلاق کی جانب ہی راہنمائی کرتی ہیں اور اگر ہم سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات پہ کما حقہٗ عمل کریں تو اتباعِ رسول ﷺ کے تمام تقاضے الحمدللہ پورے ہوں گے اور اللہ کے مقربین بندوں میں انشاء اللہ شامل ہو جائیں گے۔

مرکز پر محفل میلاد

(ماجد محمود توحیدی)

حسب معمول دسمبر کے پہلے اتوار سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے مرکز تعمیر ملت پر ماہانہ اجتماع ہوا۔ چونکہ ماہ دسمبر اور ربیع الاوّل شریف ساتھ ساتھ رواں دواں تھے اس لیے یہ اجتماع خصوصی اہمیت اختیار کر گیا جس میں قرب و جوار کے حلقوں سے توحیدی بھائیوں نے شرکت فرما کر اپنے دلوں کو اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی یاد سے منور و سیراب کیا۔

ربیع الاوّل وہ مبارک مہینہ جس میں اللہ کے آخری رسول، امام الانبیاء، فخر آدم تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر اس دنیا میں تشریف لائے۔ اس سے بڑی کوئی مبارک ساعت نہیں جب اللہ کے محبوب ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ''سراج منیر'' فرمایا ہے، ایک ایسا سورج جس کے چمکنے سے تمام تاریکیاں، ظلمتیں اپنا دامن سمیٹ کر رخصت ہو گئیں اور ہر طرف روشنی ہی روشنی ہو گئی۔

اسی دن کی مناسبت سے دسمبر کے پہلے اتوار مرکز تعمیر ملت میں محفل کا انعقاد کیا گیا جس میں شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب توحیدی سب بھائیوں کے درمیان جلوہ افروز تھے۔

تقریباً گیارہ بجے اجتماعی قرآن خوانی سے اس محفل پاک کا آغاز ہوا۔ قرآن خوانی کے بعد درود شریف اور نفی اثبات کا ذکر کیا گیا اور بلغ العلیٰ بکمالہ کلام بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا۔ اس کے بعد محفل کی پر لطف کیفیات کو جناب عبدالرشید ساہی اور ماجد محمود کی نعتوں نے

اورجلا بخشی ۔ بارگاہ رسالت میں ہدیہ نعت پیش کرنے کے بعد محترم جناب عبدالقیوم ہاشمی (سابق مدیر مجلّہ فلاح آدمیت)اور جناب پروفیسر احمد رضا خان صاحبان نے سیرت کے پہلوؤں کو سامعین کے سامنے رکھا ۔ دونوں مقررین نے اس بات پر زور دیا کہ زبانی کلامی عشق رسول ﷺ کے دعوؤں کی بجائے عملی طور پر اخلاق محمدی ﷺ کو اپنا ئیں تا کہ اُمت کی بہتری کی کوئی صورت نکل سکے ۔ جناب احمد رضا خان نے بیان کیا کہ ہر بھائی اور مسلمان کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی سیرت کا خود مطالعہ کرنا چاہیے اس سے جہاں ایک طرف حضور نبی مکرم ﷺ کی ذات با برکات سے نسبت مضبوط ہوگی وہاں دوسری طرف علم و آگاہی اور عمل کی طرف رجحان بڑھے گا ۔ انہوں نے فرمایا درود شریف اور آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ آپ ﷺ سے نسبت اور پیار بڑھانے کا موثر ذریعہ ہیں ۔ ہر بھائی کو کم ازکم ایک ہزار مرتبہ درود شریف ہر دن تو ضرور پڑھنا چاہے (سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم بھی یہی ہے کہ کم ازکم ہر روز ایک ہزار مرتبہ درود پاک پڑھیں)

آخر میں حافظ یٰسین خادم حلقہ نو کھر نے ختم شریف پڑھا اور قبلہ بابا جان نے بھائیوں کے لیے، پاکستان اور ملت اسلامیہ کے لیے دعا فرمائی کہ اللہ ہماری غلطیوں ،کوتاہیوں کو درگزر کرتے ہوئے پھر سے قرون اولیٰ سا اخلاق اور قوت عمل عطا فرمائے ۔ آمین ۔

آخر میں بھائیوں کو ظہرانہ پیش کیا گیا ۔ ظہرانے کے بعد نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد توحیدی بھائی بابا جان سے الوداعی ملاقات کے بعد واپس چلے گئے ۔

رحمت عالم ﷺ کا بچپن

(پیر خان توحیدی)

رحمت عالم ﷺ کی سیرت کے کئی پہلو ہیں۔ سیرت نگاروں نے آپ ﷺ کی سیرت پر بے شمار کتابیں لکھیں، لکھ رہے ہیں اور قیامت تک لکھتے رہیں گے۔ لیکن یہ باب کبھی ختم نہ ہوگا کیونکہ اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے ''اے حبیب ﷺ تیرا ذکر بلند سے بلند تر ہی ہوتا رہے گا اور تیرا آنے والا وقت گزرے ہوئے زمانے سے بہتر ہوگا۔ آپ ﷺ کی سیرت کے پہلوؤں میں ایک پہلو آپ ﷺ کا بچپن قارئین کی نظر کیا جا رہا ہے۔

رحمت دو عالم ﷺ قریش کے قبائل بنو ہاشم میں ۱۲ ربیع الاوّل بمطابق ۲۲ اپریل 571ء بروز پیر مکہ کے سردار عبدالمطلب کے بیٹے حضرت عبداللہ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی آمنہ تھا۔ آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ آپ ﷺ کی پیدائش سے کچھ عرصہ قبل ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے ایک خواب دیکھا جس میں انہیں آپ ﷺ کا نام احمد بتایا گیا جبکہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا اور آپ ﷺ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔

یتیمی کا داغ لیے جب یہ دریتیم پیدا ہوئے اس وقت کے عرب کے رسم و رواج کے مطابق چھوٹے بچوں کو تندرست و توانا اور بہادر بنانے کے لیے دور دراز پہاڑی علاقوں میں دائیوں کے حوالے کیا جاتا تھا تاکہ کھلی فضاؤں اور تازہ غذاؤں کے ساتھ پروان چڑھیں۔ حسب دستور آپ کی ولادت کے سال بھی دائیاں بچوں کو لینے مکہ آئیں جن میں سیدہ حلیمہ سعدیہ بھی شامل تھیں۔ چونکہ سیدہ سعدیہ جو نہایت ہی غریب اور افلاس کی ماری تھیں اس لیے ان کی ڈاچی

بھی سخت لاغر اور کمزور تھی جس کی وجہ سے وہ دائیوں سے پیچھے رہ گئیں اور اس وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئیں جب دوسری دائیوں نے اپنی بساط اور استطاعت کے مطابق خوشحال اور دولت مند گھرانوں سے بچوں کو اٹھالیا تا کہ ان کو انعام و اکرام زیادہ ملے ۔حلیمہ سعدیہ جب مکہ میں داخل ہوئیں تو دائیاں بچوں کو لیکر واپس ہونے لگیں جس پر حلیمہ سعدیہ کو صدمہ ہونے لگا۔ کسی نے ان کو عبدالمطلب کے بیٹے سردار عبداللہ کے گھر پیدا ہونے والے درّ یتیم کے بارے میں بتایا کہ وہ درّ یتیم ابھی تک کسی نے نہیں اٹھایا۔حلیمہ سعدیہ جو کوئی بچہ حاصل نہ کرسکیں تھیں، پریشانی کے عالم میں پوچھتے ہوئے حضرت آمنہ بی بی کے در دولت پر اس وقت پہنچیں جب ان کے نورنظر میٹھی نیند سورہے تھے۔سیدہ آمنہ نے سیدہ سعدیہ سے دریافت کیا'' کیا تم میرے بچے کو دودھ پلانے پر راضی ہو''سیدہ سعدیہ نے جواب میں کہا ہم لوگ غریب ہیں ہمارے جانور بھی کمزور ہیں اس لیے یہاں دیر سے پہنچے ہیں ۔جبکہ میرے ساتھ والی دائیاں سب بچے لے گئیں ہیں ۔میں ہی رہ گئی ہوں مجھے یہ بھی معلوم ہے آپ کا نورنظر یتیم ہے لیکن میں نے سوچا کہ خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے اس یتیم کو لے لینا ہی بہتر ہے اس لیے میں حاضر ہوگئی ہوں ۔

سیدہ سعدیہ کی باتیں سن کر سیدہ آمنہ کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی سردار عبداللہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے آگئی اور گم سم ہوکر رہ گئیں ۔برکہ نے آہستہ آہستہ ان کا شانہ ہلایا تو انہیں ہوش آ گیا برکہ نے حلیمہ سے مخاطب ہوکر کہا مالکن کو چھوٹے سردار کی وفات کا بہت صدمہ ہے۔ حلیمہ کے دل پر سیدہ آمنہ کی عظمت کا نقش ثبت ہوگیا اور وہ بہت متاثر ہوئی ۔سیدہ آمنہ کو دو روز سے یہ ملال تھا کہ دائیوں نے دوسرے لوگوں کے بچے تو ہنسی خوشی گود لے لیے ہیں لیکن ان کے درّ یتیم کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی لیکن انہوں نے سیدہ حلیمہ پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی اور فرمایا حلیمہ تم اس بچے کی طرف سے مطمئن رہو ۔یہ بڑی شان اور نام والا ہوگا۔حلیمہ نے کہا

میں بچے کو دیکھوں تو سہی۔سیدہ آمنہ نے اپنے لخت جگر کے روئے مبارک سے کپڑا ہٹایا تو حلیمہ کو چاند سا مکھڑا دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کیونکہ اس نے اس قدر صاف ستھرا اور جاذب نظر بچہ پہلے کبھی دیکھا ہی نہ تھا حلیمہ نے بے اختیار ہو کر اس چاند کو اپنی گود میں لے لیا اور بولی سبحان اللہ کتنا خوبصورت اور پیارا بچہ ہے فوراً چھاتی سے لگا لیتی ہے۔جناب آمنہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھتا ہے بر کہ دیوانہ وار لپکتی ہے اور جناب محمد ﷺ کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہتی ہے حلیمہ خدا کی قسم تم نے کبھی ایسا پھول سا بچہ نہ دیکھا ہو گا۔کیا تمہیں ان سے بھینی بھینی خوشبو محسوس نہیں ہوتی ہاں ہاں ایسی خوشبو تو میں نے زندگی بھر نہیں سونگی۔

سیدہ آمنہ نے حلیمہ سعدیہ سے فرمایا "حلیمہ تم اس بچے سے مطمئن رہو کیونکہ یہ بڑی شان والا بچہ ہے اور دعا دی کہ میں اپنے بچے کو اللہ ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں اس شر سے جو پہاڑوں پر چلتا ہے یہاں تک کہ بے کسوں اور لاچاروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بن جائے۔حلیمہ نے جونہی جناب محمد ﷺ کو دودھ پلانے کو چھاتی سے لگایا تو محسوس کیا کہ گویا اس کی سوکھی ہوئی چھاتی سے دودھ کی نہر بہنے لگی ہے جبکہ حلیمہ کا اپنا بچہ عبداللہ جو دودھ کی کمی کی وجہ سے لاغر اور کمزور ہو گیا تھا سیر ہو کر پینے لگا۔حلیمہ کی ڈاچی کے تھنوں میں بھی دودھ جوش مارنے لگا جسے دونوں میاں بیوی نے سیر ہو کر پیا۔حلیمہ کو محسوس ہونے لگا کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی نعمت لے کر جا رہی ہے۔

''حلیمہ میں تیرے مقدراں تو صدقے ، توں مدنی دا جھولا جھولیندی دی ہوسیں''۔

حلیمہ کی ڈاچی جو آتے وقت سب سے پیچھے تھی جاتے وقت جس تیز رفتاری سے گزری تو دائیاں حیران ہو کر پوچھتی ہیں کہ اے حلیمہ یہ وہی اونٹنی ہے جو مشکل سے چلتی تھی۔حلیمہ جواب دیتی ، ہاں یہ وہی لاغر اور کمزور ڈاچی ہے مگر اب اس کا سوار بدل گیا ہے۔اس شہسوار کے

ہوتے ہوئے مجھے کوئی غم نہیں۔حلیمہ سعدیہ نے جناب محمدﷺ کے ایام رضاعت کے دوران کئی حیرت انگیز واقعات دیکھے مثلاً حلیمہ کی اونٹنی کا دودھ کئی گناہ زیادہ ہوگیا اس کے گھر میں خوشحالی کے دور کا آغاز ہوگیا۔فرشتوں کے ہاتھوں جناب محمدﷺ کا سینہ چاک ہوا جس سے اندازہ ہوگیا کہ یہ بچہ کسی بہت ہی غیر معمولی شخصیت کا مالک ہے دوسرے بچوں سے انہیں نسبت نہیں دی جا سکتی۔تاہم شق الصدر کا واقعہ حلیمہ اور اس کے خاوند حارث کے لیے خوف وہراس کا باعث بھی بن گیا اس لیے حلیمہ رسول اللہﷺ کو لیے ہوئے مکہ پہنچ گئیں۔جناب آمنہ اپنے نورنظر کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں۔حلیمہ کو مزدوری کے علاوہ انعام وکرام سے بھی نوازا اور وہ خوش ہو کر واپس لوٹ گئیں۔اس وقت جناب محمدﷺ کی عمر چھ برس تھی۔جب بی بی آمنہ اپنے لخت جگر کو اپنے رشتہ داروں سے ملانے مدینہ روانہ ہوئیں۔چند ماہ قیام کے بعد واپس مکہ آتے ہوئے راستے ہی میں ابوہ کے مقام پر سیدہ آمنہ کا انتقال ہوگیا۔آپ کو اسی جگہ دفن کیا گیا۔تاریخ بتاتی ہے کہ عروج اسلام کے زمانے میں آپﷺ ایک ہزار مجاہدین اسلام اور صحابہ کرام کے ساتھ اپنی والدہ کی قبر پر حاضری کے لیے تشریف لے گئے۔زیارت کے وقت آپﷺ پر رقت طاری ہوگئی۔جب کہ تمام اصحاب کرام بھی شدت غم سے اشکبار ہوگئے۔تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ حلیمہ سعدیہ ایک دفعہ آپﷺ کے پاس تشریف لائیں تو آپﷺ اٹھ کھڑے ہوگئے اور اپنی کالی کملی زمین پر بچھا کر حلیمہ سعدیہ کو اس پر بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے۔آنے کا سبب دریافت کیا۔حاجت روائی کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگئیں

علم الیقین

(سلطان بشیر محمود)

مرنے کے ساتھ ہی انسان کے شعور سے دنیا کا دھوکہ ظاہر ہوجاتا ہے اور اسے عالم الغیب کے حقائق نظر آنے لگتے ہیں، جیسے آسمان پر سورج نظر آتا ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ یہ علم بڑھتا ہی جاتا ہے مومنوں کے لئے یہ انکشافات انتہائی سرور، اُمید اور خوشی کا باعث ہوتے ہیں جب کہ گناہ گاروں کے لئے یہ حقیقت حال قیامت تک کے لئے روحانی عذاب کا باعث بن جاتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''تمھیں غافل رکھا کثرت کی ہوس نے ٥ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے ٥ ہرگز نہیں تم بہت جلد جان لو گے ٥ اور پھر (اس حالت پر ہرگز ٹھہرے نہیں رہو گے بلکہ آگے مزید جان جاؤ گے ٥ اور کاش تم پہلے ہی سے یقین کے ساتھ اسے جانتے ہوتے ٥ پھر تم البتہ جہنم کو ضرور دیکھو گے ٥ پھر البتہ تم اسے براہ راست یقین کی آنکھ سے دیکھو گے ٥ پھر تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا'' ۔٥ (سورۃ التکاثر 'آیات نمبر 1-8)

ہماری موجودہ زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ دنیا کے لہو ولعب میں مبتلا ہماری آنکھوں پر پٹی بندھی رہتی ہے اور حقیقت کو چھوڑ کر سراب کے پیچھے زندگی گزار دیتے ہیں حتیٰ کہ آخری وقت آپہنچا ہے۔جب صورت حال واضح ہوتی ہے تب مہلت باقی نہیں ہوتی۔

صبح شام جنت و دوزخ کا دیدار

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ایک موقع پر فرمایا: "جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اسے ہر صبح وشام وہ مقام دکھایا جاتا ہے جہاں حساب کتاب کے بعد اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ اگر اچھے اعمال کی وجہ سے اس کے مقدر میں جنت ہے تو وہ اسے دکھائی جائے گی ٔ اگر اعمال دوزخیوں والے تھے تو اسے دو مرتبہ دن میں دوزخ دکھائی جائے گی۔" (ترمذی شریف)

نفس کا قبر تک سفر

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف احادیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگ مردے کو دفنانے جاتے ہیں تو نگہبان فرشتے نفس کو لے کر جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں۔ اس دوران وہ ان سب لوگوں کو دیکھتا ہے جو جنازہ کے ساتھ جا رہے ہوتے ہیں اور وہ اپنے رشتہ داروں کی آہ و پکار اور دوستوں کی باتیں بھی سن رہا ہوتا ہے۔ دوران دفن بھی مردے کا نفس قبرستان میں جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے وہ دیکھ رہا ہوتا ہے۔

لمحہ ء فکریہ:

قرآن حکیم کی خبروں، اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات ٔ اولیاء کرام کے مشاہدات اور جدید سائنس کے تجربات کے بعد اس بات میں شک کرنا کہ موت کے بعد زندگی نہیں انتہائی درجہ کی جہالت اور نقصان دہ بات ہے۔ عقلمند وہی ہے جو اس عارضی دنیا کے وقفہ میں اس کی آلائشوں سے بچ کر نکل جاتا ہے۔

عالم قبور میں انسان کی زندگی کامیابی یا ناکامی خوشی یا غمی کا انحصار ان اعمال پر ہے جو اس نے دنیا (عالم شہادت) میں کئے ہوتے ہیں۔ اس طرح ہے کہ اگر کوئی بچہ پیدائشی طور پر کچھ نقائص لے کر اس دنیا میں وارد ہوتا ہے تو زندگی بھر ان خامیوں کی وجہ سے وہ تکلیفیں اُٹھاتا ہے اور اگر یہی وہ بہتر حالت میں پیدا ہوتا ہے تو وہ فائدہ میں رہتا ہے۔ دنیا کی زندگی اس لئے ہے کہ

انسان کو آزمایا جائے کہ دیئے گئے حالات میں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر کیسے عمل کرتا ہے؟ جو لوگ یہاں اپنی آزمائش کا پرچہ اچھی طرح حل کرتے ہیں وہ عالم برزخ کا زمانہ اطمینان سے گزارتے ہیں، لیکن جو اپنی بداعمالیوں اور دنیا کی حرص میں مطلوبہ معیار سے پیچھے رہ جاتے ہیں ان کے نفوس پریشانی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ وہ یوم الدین کے بعد بھی اس قابل نہیں ہوتے کہ ابدی جنت میں رہ سکیں اس لئے دوزخ کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔

نفس اور اس کی ترقی:

ہم قرآن مجید سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ تمام اشیاء زندگی اور جسم سے مرکب ہیں اور زندگی کا اظہار ان کے شعور کے درجہ کے مطابق ہوتا ہے۔ کائنات میں تمام قسم کی جمادات، نباتات اور حیوانات کے برعکس انسان علیحدہ ہستی ہے۔ جو جسم، زندگی اور روح کا مرکب ہے اور اعلیٰ ترین شعور کے درجہ پر قائم ہے۔ انسان روح کے ساتھ پیدا ہوتا ہے جو زندگی کے حالات سے اثر لیکر نفس بن کر یہاں سے جاتی ہے یعنی دنیاوی حیات کے زیر اثر روح کی جو شکل بنتی ہے وہ ہمارا نفس ہے۔ زندگی میں نفس کا امتحان ہے جہاں اس نے شیطان کو شکست دیکر اپنی بڑائی کو ثابت کرنا ہے اسی میں اس کی ترقی ہے یہ ترقی ان اصولوں پر چل کر ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بتائے اور قرآن حکیم ان تمام اصولوں کی کتاب (Manual) ہے۔ وہ کامیاب انسان جو ایک طاقتور اور صحت مند نفس کے ساتھ اپنے اگلے سفر پر قدم رکھتا ہے نفس مطمئنہ کہلاتا ہے۔

ہمارا اصل نفس ہی ہے۔ انسانی بدن ایک عارضی پیراہن ہے۔ جو تبدیل ہوتا رہتا ہے ہر گھنٹے اس کے کروڑوں خلیے مر جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیے لے لیتے ہیں۔ میڈیکل سائنس کا اندازہ ہے کہ اپنی ستر سالہ زندگی میں آدمی کے اس جسد خاکی کا ہر خلیہ درجنوں بار تبدیل ہوتا ہے۔ اس لئے "میں" کیا ہوں، یہ ہمارا جسم نہیں بلکہ ہمارا "نفس ہے۔ اگر ہم اس بات کو

سمجھ لیں تو اس سوال کے جواب کو سمجھنا مشکل نہیں ہونا چاہیے کہ کیا دنیا میں صرف جسد خاکی نشو ونما اس کی آسائشوں کے حصول اور اس کے لئے لذتوں کے چکروں میں پڑا رہوں یا ہمیشہ رہنے والے نفس کا خیال کروں؟ یہ ایک اہم سوال ہے جس کا حل تر جیحات کو مدنظر رکھ کر ڈھونڈنا ضروری ہے کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ موت کے بعد جب ہم اپنے خالق کی طرف روانہ ہوں تو نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز ہوں جس کا خود ربّ رحیم استقبال فرماتا ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات کریمہ جتنی مرتبہ بھی دہرائیں کم ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

اے نفس مطمئنہ o اپنے ربّ کی طرف واپس ہو جا کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی o پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا o اور میری جنت میں داخل ہو جا o

(سورہ الفجر 'آیت 30-27)

عالم برزخ انعامات اور سیر وسیاحت

نفوس مطمئنہ کون ہیں؟ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ یہ وہ خوش قسمت ہستیاں ہیں جن سے اللہ تعالی راضی ہوا، اور وہ اس سے راضی ہوئے ان میں اللہ تعالی کے نبی اور ان کے مخلص پیروکار یعنی صدیقین، شہداء اور صالحین شامل ہیں۔ اس گروپ میں شہداء جو اوپر سے تیسرے مقام پر ہیں ان کی شان میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: ''اور جو اللہ تعالی کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں بلکہ تمہیں اس کا شعور نہیں'' o (سورۃ بقرہ آیت 154) پھر ارشاد ہے:

''اگر اللہ تعالی کی راہ میں مارے جاؤ یا قتل ہو جاؤ تو ان پر اللہ کی بخشش اور رحمت ہے اور یہ ان کی تمام جمع پونجی سے بہتر ہے'' O (سورۃ آل عمران آیت 157)

جہاں تک عام مخلص مسلمان نفوس کا تعلق ہے ان کی آزادی اور پرواز اپنے اپنے اعمال

پر ہے ۔انشاءاللہ! ان میں بہت سے کائنات کی سیر سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو آسمانِ دنیا سے بھی پار نہیں جاسکتے اور وہ بد بخت جنہوں نے اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ لیا تھا وہ اسی زمین پر ہی رینگتے رہتے ہیں ۔حضرت امام ابن قیم 'کتاب الروح' میں لکھتے ہیں:

عالم برزخ میں نفوس کا ایک ٹھکانہ علوی (پاکیزہ) ارواح اعلیٰ علیین میں ہے اور سفلی (خبیث) نفوس زمین سے آگے نہیں بڑھتے (بھوت اسی قسم کے نفوس ہیں، روحوں کو بلانے والے تجربات کا تعلق بھی ایسی ہی ارواح سے ہے) اور باقی اپنے اپنے اعمال کے مطابق ان دونوں مقامات کے درمیان ہوتے ہیں "امام غزالی کے مطابق کچھ لوگوں کی نفوس اس کائنات میں ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک آتی جاتی ہیں ۔(حوالہ کیمیائے سعادت)

عالم برزخ کی زندگی ایک سوسائٹی کی طرح ہے ۔وہاں پاکیزہ لوگوں کے نفوس پاکیزہ روح کے ساتھ اور خبیث نفوس خبیث نفوس کے ساتھ رہتے ہیں ۔البتہ فرعون جیسے اللہ تعالیٰ کے باغیوں کے نفوس کو سجین یعنی سب سے بدتر جیل خانہ میں بند کر دیا جاتا ہے ۔دنیا کے پیچھے بھاگنے والے دنیا کے ہاتھ سے نکل جانے کے غم سے بھوت کی طرح زندگی گزارتے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ کافر کے پاس جب موت کے فرشتے آتے ہیں تو خوف کے مارے اس کا برا حال ہوتا ہے، وہ مرنا نہیں چاہتا لیکن فرشتے اسکے جسم سے زبردستی روح نکال لیتے ہیں ۔اس کے نفس کی بدبو مردار کی بو سے بھی بدتر ہوتی ہے اور جدھر جدھر سے اسے لے کر گزرتے ہیں فرشتے اس پر لعنتیں بھیجتے ہیں ۔اور پھر اسے سجین میں ڈال دیا جاتا ہے ۔وہاں ایک بدقسمت مایوس نفس کی حیثیت سے وہ قیامت تک اپنے اعمال کا بوجھ اٹھائے حسرت ویاس میں بھٹکتا رہتا ہے اور اس کے اعمال خوفناک بلاؤں کی شکل میں اس کے خوابوں میں آکر اسے پریشان کرتے ہیں ۔مثلاً اگر وہ سود خور تھا یا دوسروں کا مال ناجائز طریقہ

سے کھاتا رہا، اسے یہ خواب آئیں گے کہ فرشتے اس کے پیٹ میں نوکدار چھریاں مار کر انتڑیوں کو باہر کھینچتے ہیں اور پھر اندر ڈالتے ہیں۔غیبت کرنے والا اپنے آپ کو مردار کھاتے ہوئے پائے گا۔بے نمازی یوں دیکھے گا جیسے اس کا سر کچلا جا رہا ہے کہ زندگی میں وہ یہ سر اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکانے سے کتراتا تھا۔

نیک ارواح کا استقبال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مومن کا نفس جسم سے جدا کیا جاتا ہے تو محافظ فرشتے اسے مقام علیین کی طرف لے کر چڑھتے ہیں۔وہ اسے رحمت کے لباس میں لپیٹ لیتے ہیں، جس سے خوشبوئیں پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہیں۔یہاں تک کہ فرشتے ہاتھوں ہاتھ لئے اور مبارک مبارک کہتے، اسے آسمان کے دروازے پر لے آتے ہیں۔وہاں آسمان کے فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ کون مبارک نفس ہے جو اس قدر خوشبو دار ہے؟ اس طرح وہ جہاں جہاں جاتے ہیں اس کا ایسے ہی استقبال کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے مومنوں کے نفوس کے پاس لے آتے ہیں، وہ اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں جس طرح سفر سے جب کوئی واپس آتا ہے تو اس کے گھر والے خوش ہوتے ہیں۔وہ اس نئے آنے والے سے عالم شوق میں پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے، فلاں کا کیا حال ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ابھی اس کو چھوڑو کہ اسے دنیا کے غم سے نجات مل جائے۔تھوڑی دیر کے بعد وہ نفس انہیں بتاتا ہے کہ وہ تو مر چکا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں پہنچا؟ اس پر وہ جواب دیتے ہیں کہ پھر تو وہ جہنم میں چلا گیا اور اس کی بُری قسمت پر افسوس ہے۔ (مسلم ۔المستدرک الحاکم)

انسان کا مقصدِ تخلیق

(پروفیسر شبیر شاہد ہوتوانی)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص مقصد کے لیے پیدا فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان ایک خاص مقصد کے لیے تخلیق کیے، یہ بلا مقصد نہیں بن گئے۔سورج کا بننا حیات کی بقاء کے لیے ضروری تھا۔بنا دیا گیا اور وہ اپنی ڈیوٹی جب سے تخلیق ہوا، انجام دے رہا ہے۔اس نے کبھی حکم عدولی نہیں کی۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کو پیدا کیا جو کہ زمین کے ٹھہراؤ کا سبب ہیں وہ بھی اپنے مقام پر کیل کی طرح گڑے ہوئے ہیں۔یہ کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے تا کہ زمین کا توازن نہ بگڑے۔یہ زمین جسے جمادات سے تعبیر کیا جاتا ہے اس سے نباتات (پودوں) کے لیے قربانی مانگی گئی کہ اپنے آپ کو حاضر کریں تو جمادات نے اپنا سینہ پیش کر دیا اس پر نباتات معرضِ وجود میں آئے۔اب جب نباتات پر جوانی کا جوبن آیا تو ان سے قربانی طلب کی گئی کہ اپنے آپ کو حیوانات کی حیات کے لیے پیش کرو تو بلا چون و چرا انہوں نے اپنے آپ کو پیش کر کے جان کی بازی لگا دی۔اب پھر جمادات و نباتات سے ایک اور مخلوق کے لیے جان کا نذرانہ مانگا گیا تو انہوں نے بھی بلا تامل اپنے آپ کو پیش کر کے ایثار کا ثبوت دیا۔جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو تخلیق کیا وہ تھا انسان۔ہمارے روزمرہ مشاہدہ کی بات ہے کہ اس انسان کو اللہ تعالیٰ نے وہ عظمت عطا فرمائی کہ جمادات، نباتات، حیوانات میں جو جو چیزیں، پودے، درخت، جانور وغیرہ ہیں سب انسان کے غلام کی حیثیت سے مسخر کر دیے گئے ہیں۔جسے اور جب چاہے ان کو استعمال کرے اور ان سے استفادہ حاصل کرے۔یہ جو کچھ ہمیں ظاہری آنکھ سے نظر آتا ہے یا اس آنکھ سے پوشیدہ ہے وہ سب کچھ انسان کے لیے معرضِ وجود میں لایا گیا ہے اور یہ ساری کائنات انسان کی خدمت میں مصروف ہے۔یہ سارا کارخانہ قدرت انسان کی بقاء اور

سہولت کے لیے سرگرم عمل نظر آتا ہے۔ذہن میں سوال ابھرتا ہے ایسا کیوں ہے؟۔یہ ایسا سوال ہے جو ہر ذی عقل اور باشعور انسان سوچ سکتا ہے اگر یہ سب کچھ انسان یعنی میرے لیے تخلیق کیا گیا ہے تو پھر میں بھی ضرور کسی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں گا۔یہ وہ سوچ اور فکر ہے جو انسان کو بے فکری کی زندگی نہیں بسر کرنے دیتی۔وہ ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہے گا کہ میں بھی تو جمادات، نباتات، حیوانات کی طرح مخلوق ہوں میں کوئی خدا تو نہیں کہ یہ سب چیزیں اور مخلوقات میری خدمت کے لیے تخلیق کی گئی ہوں اور میں کسی کے لیے بھی نہیں۔ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میری تخلیق کا بھی ضرور کوئی مقصد ہوگا۔یہاں ہر مخلوق کسی نہ کسی مخلوق کی خدمت کر رہی ہے اور اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر رہی ہے اور سب مخلوقات کی قربانی کا نقطہ ارتکاز انسان ہی نظر آتا ہے تو پھر یہ انسان کس کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔یہ انسان سوچتا ہے کہ میں بھی کسی کے لیے قربانی پیش کروں تاکہ میں بھی بامقصد بن سکوں۔اس کے لیے خالق کائنات نے قرآن میں خود فرمایا ہے۔

"و ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون "

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ صرف انسان بلکہ جنوں کو بھی اپنی بندگی و اطاعت کے لیے پیدا کیا۔ یہ دو مخلوقات ہیں جو مکلّف اور باشعور ہیں اور ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری و اطاعت ہے۔

یہ دنیا کی زندگی قربانیوں سے عبارت ہے ۔قربانی کے سلسلہ کی کڑی جمادات سے نباتات، نباتات سے حیوانات اور حیوانات سے انسانیت اور انسانیت سے خالق کائنات تک جا پہنچتی ہے۔اور خالق کائنات اللّٰہ الصمد کی ذات پر پہنچ کر سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔

اگرچہ مذکورہ قربانی کا تصور زیادہ وضاحت طلب نہیں ہے لیکن پھر بھی مختصراً اس کی تشریح کر دیتا ہوں کہ جمادات یعنی زمین سے اس چیز کی قربانی مانگی گئی کہ وہ نباتات کی پیدائش کے لیے اپنا سینہ پیش کرے تاکہ اس کے اندر یہ پودے، درخت، پھول، وغیرہ نشو ونما پا سکیں تو

اس کے بعد نباتات سے یہ قربانی مانگی گئی کہ وہ حیوانات (جو کیڑے مکوڑے سے لے کر بڑے بڑے جانوروں پر مشتمل ہیں) کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں۔خواہ انہیں اپنی جان کا نذرانہ دینا پڑے تو دریغ نہ کریں تو حیوانات جس میں گھاس پھوس سے لے کر تناور درخت تک نے قربانی کے جذبہ سے اپنے آپ کو حاضر کر دیا۔اس کے بعد حیوانات جس میں چھوٹے جانور، کیڑے مکوڑوں سے لے کر ہاتھی جیسے جسم کیم جانور تک شامل ہیں ان سے انسانوں کے لیے قربانی کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے بھی سر تسلیم خم کر لیا۔ان میں کچھ جانور بار برداری، سواری، گوشت (خوراک) وغیرہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

انسان کے لیے براہ راست تینوں مخلوقات مطیع ہونے کے لیے بھی پیش کی گئیں۔ مثلاً آج زمین، ہل چلانے، ہیرے جواہر معدنیات نکالنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔نباتات کو براہ راست اناج، فصل، سبزیوں، پھلوں اور لکڑی فرنیچر کے لیے استعمال کرتے ہیں۔اس کے علاوہ جانوروں کو دودھ، گوشت، اون، بار برداری وغیرہ کے لیے براہ راست استعمال کرتے ہیں اور تینوں مخلوقات کو علاج معالجہ کی غرض سے بھی استعمال کیا جاتا ہے

یہ سب مخلوقات جن کا ذکر آیا ہے اللہ تعالیٰ کی ہیں۔اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی راہ میں جان و مال قربان کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ اس کے بدلے اسے آخرت میں اعلیٰ مقام مل سکے۔یہی انسان کی وجہ تخلیق ہے۔انسان اگر قربانی کے تصور کو سمجھتے ہوئے اپنی خواہش اور مرضی کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں ڈھال دے تو یہی اس کی کامیابی و کامرانی ہے ورنہ سراسر ناکامی و نامرادی ہے اور پھر اس نافرمانی و کفر کے بدلے دہکتی اور شعلے مارتی ہوئی آگ اس کا انتظار کر رہی ہے۔

اصلاح باطن (قطع رحمی سے پرہیز)

(حافظ محمد ہارون)

اللہ تعالیٰ نے رشتہ داری اسی لئے بنائی ہے تاکہ آپس میں ہمدردی ہو۔دُکھ سکھ میں رشتہ دار ایک دوسرے کے کام آئیں اور تعلقات کو اچھا رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے بعد رشتہ داروں کا بڑا حق مقرر کر رکھا ہے۔اسی حق کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے یعنی رشتہ ناطہ جوڑے رکھنا کیونکہ رحم مادری تعلقات کی بنیاد ہے۔رشتہ دار اسی بنا پر آپس میں بندھے ہوئے ہیں اس لئے رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنا اور ان سے تعلقات ختم کر لینا قطع رحمی کہلاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قطع تعلقی کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ:

ترجمہ: ''پھر تم سے یعنی منافقوں سے یہی توقع ہے کہ اگر تم اُلٹے منہ پھر گئے تو فساد مچاؤ گے زمین میں اور آپس میں قطع رحمی کرو گے (اپنی رشتہ داریوں کو قطع کرو گے) انہی لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے پھر اللہ نے انہیں بہرا کر دیا اور آنکھوں سے اندھا کر دیا'۔(**محمد : ۲۲ تا ۲۳**)

یہاں بتایا گیا ہے کہ قریب ہے کہ تم جہاد سے بچنے لگو تو زمین میں فساد کرنے لگو اور صلہ رحمی توڑنے لگو یعنی زمانہ جاہلیت میں جو حالت تمہاری تھی وہی تم میں لوٹ آئے۔پس فرمایا ایسوں پر خدا کی پھٹکار ہے اور یہ ربّ کی طرف سے بہرے اندھے ہیں۔اس لئے زمین میں فساد کرنے کی اور قطع رحمی کی ممانعت ہے۔بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اصلاح اور صلہ رحمی کرنے کی ہدایت کی ہے اور اس کا حکم فرمایا ہے صلہ رحمی کے معنی ہیں قرابت داروں کے ساتھ بات چیت میں

کام کاج میں حسن سلوک اور احسان کرنا اور ان کی مالی مشکلات میں ان کے کام آنا وغیرہ

(تفسیر ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ سورہ البقرہ آیت: ۲۷ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ : ''وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان رشتوں سے قطع کرتے ہیں، جسے اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ نقصان میں رہنے والے ہیں''۔

ترجمہ : ''انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کے تعلق کو قطع کر دیا تمام لوگ ہماری طرف لوٹ کر آنے والے ہیں ۔(سورۃ انبیاء: ۹۳)

قطع رحمی سے متعلق احادیث نبوی ﷺ

حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔(**بحوالہ بخاری ۔مسلم**)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی خوشبو ہزار برس کی راہ تک پہنچتی ہے لیکن قطع رحمی کرنے والا' ماں باپ کا نافرمان، بوڑھا زنا کار اور متکبر فقیر اس خوشبو سے محروم رہیں گے۔(**بحوالہ طبرانی**)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کی رحمت ایسی قوم پر نازل نہیں ہوتی جس میں قطع رحمی کرنے والا موجود ہو''۔(**بحوالہ اصبہانی**)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رحم کا تعلق عرش کے ساتھ ہے' رحم کہتا ہے کہ جو مجھے ملائے اور میرے حقوق کی رعایت کرے تو اللہ بھی اس کی رعایت کریگا اور جو مجھے قطع کرے اللہ بھی اس کو قطع کریگا''۔(**بحوالہ بخاری 'مسلم**)

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جن لوگوں میں کوئی شخص قاطع رحم موجود ہو تو رحمت کے فرشتے وہاں نازل نہیں ہوتے۔'' (بحوالہ طبرانی)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر جمعرات اور جمعہ کو اللہ کے سامنے بنی آدم کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کے اعمال قبول فرما لیتا ہے مگر قطع رحمی کرنے والے کے اعمال قبول نہیں ہوتے۔ (مسند احمد)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے' شراب کا عادی' جادو پر ایمان رکھنے والا' اور قاطع رحم۔ (ابن حبان)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ شعبان کی پندرھویں شب میں تقریباً سب لوگ آزاد کر دیے جاتے ہیں لیکن قاطع رحم' ماں باپ کا نافرمان اور شراب کا عادی یہ تینوں اس رات بھی آزاد نہیں کیے جاتے۔ (بحوالہ بیہقی)

''حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا نیکی اور صلہ رحمی کا ثواب بہت جلد عنایت کیا جاتا ہے اسی طرح سرکشی اور قطع رحمی کی سزا بھی بہت جلد ملتی ہے۔'' (ابن ماجہ)

''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے کہ میرا نام اللہ ہے۔ میرا نام رحمٰن ہے میں نے رحم کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے جو اس کو ملائے گا میں اس کو ملاؤں گا جو قطع رحمی کرے گا میں اس کو قطع کروں گا۔''

(بحوالہ ترمذی و ابو داؤد)

''حضرت ابو بکرؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہر گناہ کی سزا آخرت کے لئے رکھی گئی ہے لیکن بغاوت اور قطع رحمی کی سزا دنیا ہی میں شروع ہو جاتی ہے۔ (ابن ماجہ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ باغی

اور قطع رحمی کرنے والے کو سزا دینے میں اللہ تعالیٰ جلد کرتا ہے''۔(**بحوالہ بیھقی**)

''حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو انصاری بھائیوں کے درمیان میراث تھی ان میں سے ایک نے دوسرے کو تقسیم کرنے کے لئے کہا تو دوسرے نے کہا اگر دوبارہ تم نے تقسیم کرنے کے لئے کہا تو میں سارا مال خانہ کعبہ پر خرچ کردوں گا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ کعبہ کو تمہارے مال کی ضرورت نہیں، اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو۔اور اپنے بھائی سے کلام کرو۔کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قطع رحمی کی نذر نہ مانی جائے اور نہ قطع رحمی کی قسم کھائی جائے اور جو ایسا کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نافرمانی میں شمار ہوگا۔(بحوالہ ابوداؤد)

''حضرت ابوخراش سلمیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اپنے بھائی کو سال بھر چھوڑے رکھا تو یہ اس کا خون بہانے کی طرح ہے۔(**بحوالہ ابوداؤد**)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے۔جس نے تین دن سے زیادہ چھوڑا اور مرگیا تو جہنم میں داخل ہوا''۔ (**بحوالہ احمد، ابوداؤد**)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مومن کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رہے۔اگر تین دن گزر جائیں اور اس سے ملاقات ہوتو سلام کرے اگر وہ جواب دے تو ثواب میں دونوں شریک ہوگئے اور اگر جواب نہ دے تو وہ گناہ لے کر لوٹا اور یہ مسلمان چھوڑنے کے گناہ سے نکل گیا

(**بحوالہ ابوداؤد**)

قطع رحمی کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے قرابت کو پیدا کر کے فرمایا کہ میں رحمان ہوں اور تم رحم، جو تجھے کاٹے گا میں اس سے کاٹوں گا اور جو تجھے ملائے گا میں اس سے ملاؤں گا۔مذکور ہے کہ رحم عرش کے ساتھ لٹک رہا ہے اور شب و روز یہ آواز لگاتا ہے اے اللہ جو مجھے ملاتا ہے تو اس سے ملا اور جو مجھے کاٹتا ہے تو اس سے کاٹ لے۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب لوگ علم کا مظاہرہ کریں ایک دوسرے سے بغض کریں' اور قرابت داریوں سے قطع کریں گے تو ان پر اللہ تعالیٰ لعنت کریں گے ان کی آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا کر دیں گے۔

قطع رحمی کا ایک عبرتناک واقعہ

فقیہہ ابولیث سمرقندیؒ اپنی سند کے ساتھ یحییٰ بن سلمؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے پاس مکہ میں خراسان کا ایک نیک آدمی رہتا تھا۔ لوگ اس کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے ایک آدمی نے اس کے پاس دس ہزار دینار امانت رکھے اور خود سفر پر چلا گیا۔واپس آیا تو خراسانی کا انتقال ہو چکا تھا۔اس کے اہل وعیال سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔اس شخص نے مکہ کے تمام فقہاء سے جو کہ ان دنوں وہاں بکثرت موجود تھے۔سوال کیا میں نے فلاں شخص کے پاس دس ہزار دینار امانت رکھے تھے وہ فوت ہو گیا ہے میں نے اس کے اہل وعیال سے پوچھا تو وہ لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔ارشاد فرمایئے! میرے لئے کیا حکم ہے۔فقہا مکہ نے کہا ہمیں امید ہے کہ خراسانی جنتی ہوگا۔لہٰذا رات کا تہائی یا نصف گزرنے پر زمزم کے کنوے پر پہنچو اور اس میں جھانک کر آواز دو کہ اے فلاں بن فلاں میں امانت کا مالک حاضر ہوا۔اس نے یہ عمل تین رات کیا مگر اس کو کوئی جواب نہ ملا۔یہ ان حضرات کے پاس واپس پہنچا اور اپنا قصہ سنایا۔انہوں نے

انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا ہمیں خطرہ ہو گیا ہے کہ کہیں تیرا ساتھی اہل دوزخ میں سے نہ ہو۔لہٰذا تم یمن میں جاؤ وہاں پر ایک وادی برہوت نامی ہے جس میں ایک کنواں ہے۔تو اس میں ایک تہائی یا نصف رات گزرنے پر جھانک کر وہی آواز لگاؤ کہ اے فلاں بن فلاں میں امانت والا شخص حاضر ہوں۔اس نے ایسا ہی کیا' وہ پہلی آواز پر بول اٹھا تو یہ اس سے کہنے لگا تجھے افسوس ہو تو یہاں کیسے پہنچا تو تو بڑا صاحب خیر اور نیک آدمی تھا۔کہنے لگا کہ میرے کنبے کے لوگ خراسان میں تھے۔میں نے ان سے قطع تعلق کر رکھا تھا حتیٰ کہ موت آ گئی تو اب اسی وجہ سے پکڑا گیا ہوں اور یہاں تک پہنچا ہوں۔البتہ تیرا مال محفوظ ہے۔میں نے اس پر اپنے لڑکے کو بھی امین نہیں سمجھا اور اسے گھر میں دفن کر رکھا ہے۔میرے لڑکے کو کہو کہ وہ تجھے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے دے۔تو خود اندر جا کر جگہ کھودو اور مال نکال لے۔یہ شخص واپس آیا اور اس کی ہدایت کے مطابق اپنا مال حاصل کر لیا۔

فائدہ......فقیہہؒ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے قرابت داروں کے پاس رہتا ہو۔تو لازم ہے کہ ان کو ہدیہ وغیرہ بھیجا کرے اور ملاقات کے لئے جایا کرے۔مال دینے کی ہمت نہ ہو تو ملاقات ضرور رکھے' اور ضرورت پڑے تو کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹائے۔اگر دور رہتا ہو تو خط و کتابت کے ذریعہ تعلقات قائم رکھے اور سفر کر کے جا سکے تو بہت ہی اچھا ہے۔

صلہ رحمی ضرورت اور قطع رحمی سے پرہیز

عام حالات میں صلہ رحمی واجب اور قطع رحمی بہت بڑا گناہ ہے۔لیکن صلہ رحمی کے مختلف درجات ہیں' ان میں سے بعض واجب اور بعض مستحب ہیں۔

سورۂ بقرہ آیت نمبر: ۲۷ میں اللہ تعالیٰ نے فاسقوں کی تین علامتیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک علامت یہ ہے کہ "جس تعلق کو اللہ تعالیٰ نے میں جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے

توڑ دیتے ہیں اس تعلق میں وہ تعلق بھی داخل ہے جو بندے کا اللہ کے ساتھ یا امتی کا نبی کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ تعلق بھی داخل ہے جو ایک انسان کا اپنے رشتہ داروں مسلمانوں اور عام انسانوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔

سورۂ رعد کی آیت ۱۹۔۲۰۔۲۱ میں عقل والوں کی پانچ نشانیاں ذکر کی گئی ہیں اُن میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ "وہ ان تعلقات کو قائم رکھتے ہیں جنہیں اللہ نے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے"۔

رسول اکرم ﷺ کی نظر میں صلہ رحمی کی جو اہمیت تھی اس کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعض اوقات جب کسی نو مسلم نے آپ ﷺ سے نیک اعمال کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ایمان کے بعد صلہ رحمی کا ذکر فرمایا۔

قبیلہ خثعم سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب کہتے ہیں میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا جب آپ ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے میں نے سوال کیا، کیا آپ ہی ہیں جو رسول اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا میں نے پوچھا پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا صلہ رحمی کرنا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا) میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کے ہاں اعمال میں سب سے قابل نفرت عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا میں نے پوچھا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا قطع رحمی کرنا۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل قابل نفرت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا برائی کی دعوت دینا اور نیکی سے روکنا۔

قطع رحمی ایسا سخت گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے اعمال بھی اللہ کے ہاں قبولیت

سے محروم رہتے ہیں۔ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں صلہ رحمی کی فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا یہاں تک کہ جب اس تخلیق سے فارغ ہو گیا تو رحم کھڑا ہو گیا (اس کے کھڑا ہونے کی کیفیت اگر چہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی لیکن ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں) اور اس نے عرض کیا' یہ قطع رحمی سے پناہ مانگنے والے کا مقام ہے' اللہ نے جواب میں فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں بھی اس سے تعلق رکھوں جو تمہیں ملاتا ہے اور اس سے قطع تعلق کر لوں جو تمہیں کاٹتا ہے' رحم نے اس پر رضامندی ظاہر کی تو باری تعالیٰ نے اسے یہ حق دینے کا اعلان فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ عام مسلمان کے دل سے صلہ رحمی کی اہمیت نکل گئی ہے' وہ نماز' روزہ اور حج عمرہ کو تو عبادت سمجھتے ہیں مگر پڑوسیوں' قرابت داروں اور عام مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی کو عبادت ہی نہیں سمجھتے اسی طرح شراب نوشی' بدکاری' چوری چکاری اور ترک نماز کو تو گناہ سمجھتے ہیں مگر قطع رحمی' دل آزاری اور ایسی حرکتوں کو اتنا بڑا گناہ نہیں سمجھتے ،جس کی وجہ سے آپس میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں ۔حالانکہ اسلام میں باہمی بغض' حسد اور تعلقات کی خرابی بہت بڑا گناہ ہے ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ میں ایسی چیز نہ بتاؤں جو (نفلی) نماز' روزے اور صدقے سے بھی افضل ہے' عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ ضرور بتایئے آپ ﷺ نے فرمایا ''آپس میں تعلقات کی درستگی اور باہمی تعلقات میں فساد پیدا کرنے کے بارے میں فرمایا کہ یہ چیزیں دین کو مونڈ دینے والی ہیں۔

جب ہم نمازیوں اور بظاہر دین داروں کو قطع رحمی میں مبتلا دیکھتے ہیں تو ہم بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ کیسے نمازی ہیں جو قرابت داروں کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے اور بعض لوگ تو ان کی بے رخی اور زیادتیوں کی آڑ میں نماز ہی کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں

(توبہ نعوذ باللہ) حالانکہ یہ انتہا درجہ کی حماقت ہے جو زبان سے کلمہ کفر تک کہنے پر آمادہ کر دیتی ہے نماز اچھائی کا حکم دیتی ہے' برائی سے تو نماز روکتی ہے اگر کوئی نمازی انسان برائی میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ اسے اس کے نمازی ہونے کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جو لوگ قطع رحمی جیسے کبیرہ گناہ میں ملوث ہیں خواہ نمازی ہوں یا بے نمازی' اگر وہ مذکورہ بالا تصریحات اور گزارشات کے علاوہ درج ذیل احادیث کو بھی پیش نظر رکھیں تو انشاء اللہ تعالیٰ انہیں اس گناہ سے توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے گی۔

بیہقی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جن کاموں میں اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے ان میں سب سے جلدی صلہ رحمی کا ثواب دیا جاتا ہے اور سب سے جلدی قطع رحمی پر عذاب دیا جاتا ہے''۔

مشاہدہ اور تجربہ کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنے والوں کی زندگی اور کاروبار میں برکت دیتا ہے اور قطع رحمی کرنے والوں کے رزق اور عمر سے برکت اٹھ جاتی ہے۔

''حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو کوئی مسلمان اللہ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ یا تو اسے اس کی مطلوبہ چیز عطا فرما دیتے ہیں یا اس سے اس کی مثل تکلیف دور فرما دیتے ہیں شرط یہ ہے کہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے''۔

نبی ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کی صحیح نوعیت

(مولانا امین احسن اصلاحی)

نبی ﷺ کی حیثیت اور آپ ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کی نوعیت سے متعلق ہمارے اندر جو گمراہیاں آج پھیلی ہوئی ہیں۔ظاہر ہے کہ اگر معرفت الٰہی کے حصول کا واحد راستہ نبی ﷺ کی ذات ہی ہے تو ان گمراہیوں کی موجودگی میں آپ کے ساتھ نہ تو ہمارا صحیح ربط ہی قائم ہو سکتا ہے اور نہ وہ چیز ہی ہم آپ ﷺ سے حاصل کر سکتے ہیں جس کے حاصل ہونے کا آپ ﷺ واحد ذریعہ ہیں۔اس وجہ سے ضروری ہے کہ جن بنیادوں پر قرآن نے نبی ﷺ کے ساتھ ہمیں اپنا تعلق استوار کرنے کی ہدایت کی ہے ہم وہ بنیادیں واضح کر دیں تا کہ جو شخص اللہ تک پہنچنا چاہے وہ اللہ تک پہنچنے کے واحد ذریعہ کے ساتھ اپنی ٹھیک ٹھیک وابستگی قائم کر سکے۔ہمارے نزدیک قرآن مجید نے نبی ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کو مندرجہ ذیل چار بنیادوں پر قائم کیا ہے:

۱۔ایمان ۲۔اطاعت ۳۔اتباع ۴۔محبت

ایمان:

نبی ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کی پہلی بنیاد ایمان ہے۔ایمان کا مطلب صرف یہ مان لینا ہی نہیں ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں بلکہ اس ایمان کی اصل روح آپ ﷺ کی ذات پر سچا اور پکا اعتماد ہے۔اس بات پر اعتماد کہ آپ ﷺ صادق اور امین ہیں اس بات پر اعتماد کہ آپ ﷺ کے ہر قول اور ہر فعل کے اندر گہری حکمت ہے اگر چہ وہ حکمت ہماری سمجھ میں نہ آ رہی ہو۔اس بات پر اعتماد کہ آپ نے جو راہ دکھائی ہے اگر چہ بظاہر اس میں کتنے ہی خطرات نظر آ رہے ہوں لیکن نجات اور رفلاح کی حقیقی راہ وہی ہے۔اس بات پر اعتماد کہ آپ ﷺ نے زندگی کے جو اصول سکھائے ہیں وہ وقتی اور عارضی نہیں ہیں بلکہ وہ دائمی اور ابدی ہیں

اور انسان ان سے کبھی بھی مستغنی نہیں ہو سکے گا اور سب سے بڑھ کر اس بات پر اعتماد کہ اللہ کی معرفت کا جو طریقہ آپ نے بتایا اور سکھایا ہے۔اس سے بڑھ کر نہ کوئی اور طریقہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے

جب تک آدمی کے اندر یہ اعتماد نہ پیدا ہو صرف اس تصدیق سے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آدمی ایمان کی حقیقی لذت سے آشنا نہیں ہوتا اور نہ یہ ایمان اس معرفت کے نقطہء نظر سے کچھ کارآمد ہوتا ہے جو اس ایمان کی حقیقی غایت ہے۔اسی وجہ سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

''ایمان کا مزا اس نے چکھا جو اللہ کے اپنا رب ہونے پر،اسلام کے اپنا دین ہونے پر اور محمد (ﷺ) کے اپنا رسول ہونے پر مطمئن ہوگیا۔(صحیح مسلم :کتاب الا ایمان باب ۱۱)

یہی اعتماد ہے جس کی تعلیم نبی ﷺ نے ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ !ہم کبھی کبھی یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان میں سے بعض باتیں نوٹ کرلیا کریں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے دین کے بارے میں حیرانیوں میں پڑ گئے اسی طرح تم بھی حیرانیوں میں پڑنا چاہتے ہو؟ میں نے تمہارے سامنے اللہ کے دین کو بالکل روشن اور شفاف صورت میں رکھا ہے۔اگر آج موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری پیروی کے سوا چارہ نہ تھا۔ (سنن الدارمی)

یہی بات ایک دوسری روایت میں کچھ مختلف انداز میں وارد ہے جس سے معلوم ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب حضور ﷺ کی خفگی کا احساس ہوا تو وہ فوراً پکار اٹھے:

''ہم اللہ کے اپنا ربّ ہونے پر اسلام کے اپنا دین ہونے پر اور محمد (ﷺ) کے اپنا نبی ہونے پر پوری طرح مطمئن ہیں''۔

ان حدیثوں سے صاف واضح ہے کہ جہاں تک اللہ کی معرفت کا راستہ دکھانے اور اللہ کی صراطِ مستقیم کو واضح کرنے کا تعلق ہے یہ کام بہترین طریق پر نبی کریم ﷺ نے انجام دے دیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی اگر آپ کے بعد ہوتے تو اسی طریقہ کی پیروی کرتے۔ ظاہر ہے کہ حق کی رہنمائی کے نقطۂ نظر سے جب آنحضرت ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی شریعت کی بھی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی تو دوسرے اشخاص اور ان کے علوم و افکار اور نظریات و تجربات کی کیا وقعت باقی رہتی ہے؟ دوسرے علوم و افکار کچھ قابلِ لحاظ ہو سکتے ہیں تو صرف اس حد تک ہو سکتے ہیں جہاں تک وہ کتاب و سنت کے موافق ہوں۔ اگر کوئی شخص اس حد سے بڑھ کر کسی فکر و فلسفہ کو یا کسی وجدان و کشف کو یا کسی طریقہ اور تجربہ کو نبی ﷺ کے علم و عمل پر ترجیح دے یا اس کے برابر ہی ٹھہرائے یا اس کسوٹی پر جانچے بغیر ہی اس کو تسلیم کرے اور اس کے ساتھ ساتھ نبی ﷺ پر ایمان کا بھی دعویٰ کرے تو اس کا دعوائے ایمان محض ایک فریبِ نفس ہے کیونکہ اس کا ایمان اس اعتماد سے بالکل خالی ہے جو اس ایمان کی اصل روح ہے۔

اطاعت:

نبی ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کی دوسری شرط آپ کی کامل اطاعت ہے۔ دنیا کا کوئی نبی اور رسول بھی اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ بس اس کو مان لینے کی حد تک لوگ اس کو نبی اور رسول مان لیں۔ بلکہ اس کے بھیجے جانے سے اصل شے جو مقصود رہی ہے وہ یہ ہے کہ اسی کی اطاعت بھی کی جائے اور زندگی کے معاملات میں جو احکام و ہدایات وہ دے اس کی بلا چون و چرا تعمیل کی جائے۔ اس حقیقت کو قرآن میں ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے:

”اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا تو اسی لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے (النساء ۴:۶۴)

دوسری جگہ ہے کہ آدمی کے نیک اعمال کی قبولیت کا انحصار ہی اس بات پر ہے کہ وہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرے اگر وہ اطاعت نہ کرے تو اس کے تمام اعمال رائیگاں ہوجاتے ہیں:

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو رائیگاں نہ کرو''۔

(محمد۔۴۷:۳۳)

رسول ﷺ کی اطاعت کے مطالبہ کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی اطاعت جو اصل مقصود ہے اس کا راستہ ہی یہ ہے کہ اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ براہ راست معاملہ نہیں کرتا بلکہ اپنے رسول کے واسطہ سے کرتا ہے۔ رسول ہی لوگوں کو اس کی ہدایات اور اس کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ اس وجہ سے جو اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول کی اطاعت کرے۔ رسول کی یہ اطاعت ہی درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے:

''جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔ (النساء۴:۸۰)

رسول کا ہاتھ لوگوں کے لیے اللہ کے ہاتھ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ جو لوگ رسول کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ گویا بالواسطہ اللہ ہی کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں:

''جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے''۔(الفتح۔۶۸:۱۰)

احادیث میں بھی اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت کا راستہ یہی ہے کہ محمد ﷺ کی اطاعت کی جائے، مثلاً جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اللہ کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان محمد ﷺ ہی نشانِ امتیاز ہیں۔

قرآن مجید میں یہ حقیقت بھی واضح کردی گئی ہے کہ یہ اطاعت محض ظاہری اور رسمی قسم کی مطلوب نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ آدمی پورے طور پر اپنے آپ کو اللہ کی کتاب اور پیغمبر کی سنت کے تابع کردے، آپس میں جتنے مسئلے بھی پیدا ہوں، ان سب کے طے کرنے کے لیے کتاب وسنت ہی کی طرف رجوع کیا جائے، اور پھر کتاب وسنت کے فیصلوں کو دل کے پورے اطمینان اور طبیعت کی پوری رضامندی کے ساتھ قبول کیا جائے، ان کے خلاف دل کے اندر کسی قسم کی بدگمانی یا شکایت نہ رہے۔ فرمایا ہے:

''پس نہیں، تیرے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہیں ہیں جب تک اپنی نزاعات میں تمہی کو حکم نہ مانیں اور جو کچھ تم فیصلہ کردو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس کیے بغیر اس کے آگے سر تسلیم خم نہ کردیں'' ۔(النساء۔۴:۶۵)

ان آیات واحادیث کے ظاہری الفاظ سے کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ ان کا تعلق صرف نبی ﷺ کی زندگی ہی سے تھا، جب آپ کی ذات خاص ہمارے درمیان موجود نہیں رہی تو اس اطاعت کا سوال بھی باقی نہیں رہا آپ کی وفات کے بعد اللہ کی کتاب اور آپ کی سنت اُمت کے اندر آپ کے قائم مقام ہے، اس وجہ سے اب انہی دو چیزوں کی اطاعت آپ کی اطاعت ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے خود اس کی وصیت بھی فرمادی تھی ۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں ۔جب تک تم ان دونوں پر مضبوطی سے قائم رہو گے اس وقت تک تم گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت''۔

(موطا امام مالک : کتاب القدر باب ۱)

علاوہ ازیں ایک اسلامی حکومت کے وہ امراء اور حکام بھی اس حکم میں داخل ہیں جو زمین میں خدا کی کتاب اور آپ کی سنت کے نافذ کرنے والے ہوں ۔اس کی تشریح بھی نبی ﷺ نے فرمادی ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی ۔جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امام کی اطاعت کی تو اس نے میری اطاعت کی۔اورجس نے امام کی نافرمانی کی تو اس نے میری نافرمانی کی''۔

(سنن ابن ماجه : كتاب الجهاد باب طاعة الامام)

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ نبی ﷺ کو رسول ماننے کی اصلی حقیقت یہ ہے کہ ہم اس کتاب وسنت کی پیروی کریں جن کے ذریعے سے آپ ﷺ نے اللہ تعالٰی کی مرضیات اوراس کے احکام سے ہمیں آگاہ فرمایا ہے اگر محض زبان سے آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا جاتا رہے اور اطاعت اپنی ہوائے نفس کی یا رسول کی ہدایات کے خلاف دوسروں کی، کی جاتی رہے تو اس طرح رسول کو رسول ماننا وہ ماننا نہیں ہے جس سے معرفت الٰہی کے دروازے کھلیں ۔بلکہ اس طرح کا ماننا اُلٹا آدمی کی بدبختی میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔

اتباع:

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کی تیسری بنیاد اتباع ہے ۔اتباع کا دائرہ اطاعت سے زیادہ وسیع ہے ۔اطاعت کے دائرہ میں تو عموماً وہی باتیں آتی ہیں جن کی حیثیت احکام وواجبات اوراوامر ونواہی کی ہو لیکن اتباع کے دائرہ میں مستحبات ونوافل بھی آجاتے ہیں ۔پھر اطاعت بعض حالات میں محض ظاہری اور رسمی بھی ہوسکتی ہے۔آدمی ایک شخص کی اطاعت کرتا ہے لیکن اس کی اطاعت میں اخلاص اور محبت کا جذبہ ذرا بھی شامل نہیں ہوتا ۔لیکن اتباع میں متبوع کے لیے عقیدت واحترام کا جذبہ پایا جانا بھی شرط ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی اطاعت ہی نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کی اتباع بھی کرتے تھے۔ وہ صرف یہی نہیں کرتے تھے کہ آپ کسی بات کا حکم دیں تو اس کی تعمیل کردیں یا کسی بات سے روکیں تو اس سے رک جائیں بلکہ وہ آپ کی ایک ایک ادا کو دیکھتے، اس کو نگاہوں میں رکھتے اور پھر اس کی تقلید کرتے تھے آپ کس طرح اٹھتے ہیں، کس طرح بیٹھتے ہیں۔ کس طرح سوتے ہیں کس طرح جاگتے ہیں، کس طرح چلتے ہیں کس طرح گفتگو کرتے ہیں، کس طرح کھانا کھاتے ہیں، کس طرح ہاتھ دھوتے ہیں، کس طرح وضو کرتے ہیں، کس طرح نماز پڑھتے ہیں ،غرض وہ آپ ﷺ کی تمام حرکات وسکنات پوری طرح نظر میں رکھتے اور پھر ان میں سے ہر شخص کی یہ دلی خواہش ہوتی کہ وہ اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ نبی ﷺ کی زندگی کے سانچے میں ڈھالے۔ وہ یہ اہتمام کسی خارجی دباؤ کے تحت نہیں بلکہ محبت وعقیدت کے جذبہ سے سرشار ہو کر کرتے تھے۔ اتباع رسول میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس ذوق وشوق کی وجہ یہ تھی کہ خدا کی محبت اور محبوبیت کا درجہ صرف اطاعت کا مظہر کامل ہوتا ہے اور اس کی ایک ایک ادا معرفت الٰہی کا نشان ہوتی ہے، اس وجہ سے جو لوگ خدا سے محبت رکھتے ہیں وہ رسول کی ایک ایک ادا سے محبت رکھتے ہیں وہ رسول کے اندر وہ علم دیکھتے ہیں جو اللہ کی معرفت سے حاصل ہوتا ہے وہ عمل دیکھتے ہیں جو اللہ کی معرفت سے پیدا ہوتا ہے وہ عادات دیکھتے ہیں جو اللہ کو پسند ہیں وہ صفات دیکھتے ہیں جو اللہ کی محبوب ہیں، وہ جمال دیکھتے ہیں جس پر جمال خداوندی کا پرتو ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ رسول ﷺ کے ایک ایک نقش کو تلاش کر کر کے اس کی پیروی کرتے ہیں اور چونکہ یہ سب کچھ اللہ کی محبت میں کرتے ہیں اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا صلہ یہ پاتے ہیں کہ وہ اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں۔ یہی حقیقت قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں بیان کی گئی ہے:

’’کہہ دو: اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم کو دوست رکھے گا‘‘۔

(آل عمران ۳۔۳۱)

درحقیقت رسول کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہی یہی ہے کہ معرفتِ الٰہی کا جو عکس انسان کی زندگی پر پڑنا چاہیے اس کو رسول کی روزمرہ زندگی میں مشاہدہ کرایا جائے۔ اگر باطن میں معرفت کا نور جلوہ گر ہو تو ظاہر کی ایک ایک چیز میں نورانیت ہونی چاہیے۔پیغمبر کی زندگی اس کا کامل نمونہ ہوتی ہے،اس وجہ سے اس کی زندگی کی ایک ایک ادا کو پیروی کے لیے اسوۂ حسنہ کی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے اور جو اس اسوۂ حسنہ کی پیروی میں جتنا ہی ترقی کرتا ہے وہ اللہ کی محبت اور اس کی محبوبیت میں بھی اتنی ہی ترقی کرتا ہے:

''اور تمہارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے''۔(الاحزاب ۳۳:۲۱)

محبت:

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کی چوتھی شرط آپ کے ساتھ ہماری محبت ہے دین میں وہ ایمان یا وہ اطاعت معتبر نہیں ہے،جس کی بنیاد محبت پر نہ ہو۔ایسی اطاعت جس کی تہہ میں محبت کا جذبہ کارفرما نہ ہو بعض حالات میں محض نفاق ہوتی ہے پھر محبت بھی محض رسمی اور ظاہری قسم کی مطلوب نہیں ہے بلکہ ایسی محبت مطلوب ہے جو تمام محبتوں پر غالب آجائے جس کے مقابل میں عزیز رشتے اور محبوب سے محبوب تعلقات کی بھی کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہ جائے جس کے لیے دنیا کی ہر چیز کو چھوڑا جا سکے لیکن خود اس کو کسی قیمت پر نہ چھوڑا جا سکے۔قرآن مجید میں اس محبت کا معیار بتایا گیا ہے:

''ان سے کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ،تمہارے بیٹے،تمہارے بھائی،تمہاری بیویاں،تمہارا خاندان اور وہ مال جو تم نے کمایا،وہ تجارت جس کی کسادبازاری کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ مکانات جو تمہیں پسند ہیں اگر اللہ،اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمادے۔(التوبہ۹:۲۴)

اسی حقیقت کو نبی ﷺ نے مختلف طریقوں سے احادیث میں بھی واضح فرمایا ہے ۔مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ کسی شخص کا ایمان بالرسل متحقق نہیں ہوسکتا جب تک وہ مجھ کو اپنے باپ، بیٹے اور دوسرے تمام عزیزوں اور قرابت داروں سے زیادہ عزیز نہ رکھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک، اس کے بیٹے اس کے باپ اور دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔

(صحیح مسلم الایمان باب ١٦)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس قسم کی محبت کے بعد ہی کوئی شخص ایمان کی حقیقی لذت سے آشنا ہوسکتا ہے:

''تین چیزیں جس شخص میں ہوں گی وہ ان کے سبب ایمان کا مزا چکھے گا۔ایک وہ شخص جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول، دوسری تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں''۔

(صحیح البخاری: کتاب الایمان باب ٨)

لیکن یہ بات یہاں یاد رکھنی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جس محبت کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اس سے مقصود محض وہ جذباتی محبت نہیں ہے جو آدمی کو فطری طور پر اپنے بیوی بچوں سے یا اپنے دوسرے عزیزوں کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اس سے مقصود وہ عقلی اور اصولی محبت بھی ہے جو ایک شخص کو کسی اصول اور مسلک کے ساتھ ہوا کرتی ہے اور جس کی بنا پر وہ اپنی زندگی میں ہر جگہ اسی اصول اور اسی مسلک کو مقدم رکھتا ہے۔اس اصول اور مسلک کے اوپر وہ ہر چیز اور ہر اصول ،ہر مسلک اور ہر خواہش اور ہر حکم کو قربان کر دیتا ہے۔لیکن خود اس کو دنیا کی کسی چیز پر بھی قربان نہیں کرتا۔اس اصول اور مسلک کی برتری کے لیے وہ ساری چیزوں کو پست کر دیتا ہے لیکن اس اصول اور مسلک کو کسی حالت میں بھی پست دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔اگر اس سے خود اس کا اپنا نفس اس مسلک کی مخالفت میں مزاحم ہوتا ہے تو وہ اس سے بھی لڑتا ہے،اگر دوسرے اس سے مزاحم ہوتے ہیں تو ان کا بھی وہ مقابلہ کرتا ہے۔یہاں تک کہ اس کے بیوی بچوں اور عزیز و اقارب

کے مطالبات بھی اگر اس کے اس مسلک کے مطالبات سے کسی مرحلہ پر ٹکراتے ہیں تو وہ اپنے اس اصول اور مسلک کا ساتھ دیتا ہے اور بے تکلف اپنے بیوی بچوں کی خواہشوں اور اپنے خاندان اور قوم کے مطالبہ کو ٹھکرا دیتا ہے۔

اس محبت کا اصولی اور عقلی ہونا خود حضور نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں واضح فرما دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

''جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا''۔ (سنن الترمذی)

اطاعت بلا محبت اور محبت بلا اتباع

اس تفصیل سے جہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کے ساتھ ہمارا ایمانی تعلق اس وقت تک استوار نہیں ہوسکتا جب تک اس ایمان کی بنیاد اطاعت، اتباع اور محبت پر نہ ہو، وہیں مختلف اشارات سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اطاعت بلا محبت کے، نــفـــاق، اور محبت بلا اطاعت واتباع کے، ''**بدعت**'' ہے۔

یہ بات کہ محبت بلا اطاعت نفاق ہے، خود قرآن مجید سے نہایت واضح طور پر ثابت ہے۔ حوالی مدینہ کے بہت سے اعراب، اسلام کی سیاسی طاقت بڑھ جانے کے بعد اسلامی احکام وقوانین کی ظاہری اطاعت کرنے لگے، لیکن یہ اطاعت محض سیاسی مصالح کے تحت مجبوراً تھی، اللہ اور رسول کی محبت اور اس ایمان کا نتیجہ نہیں تھی جس کی اصلی روح اخلاص واعتماد ہے چنانچہ ان لوگوں نے جب بعض مواقع پر اپنے ایمان کا دعویٰ اس طرح کیا جس سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ انہوں نے ایمان لا کر آنحضرت ﷺ پر اور اسلام پر کوئی بہت بڑا احسان کیا ہے تو قرآن نے آنحضرت ﷺ کو یہ ہدایت کی ان مدعیان ایمان سے کہہ دو کہ محض اسلامی احکام وقوانین کی ظاہری اطاعت سے آدمی مومن نہیں ہو جایا کرتا بلکہ ایمان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کیساتھ

اخلاص ومحبت بھی شرط ہےاور یہ چیز تمہارے اندر مفقود ہے۔اس وجہ سے ابھی تمہارا دعویٰ ایمان بھی غلط ہے۔

''اعرابی نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے۔ان کو بتادو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ہاں!یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے اور ابھی ایمان تو تمہارے دلوں کے اندر داخل ہی نہیں ہوا ہے۔

(الحجرات ۔۴۹:۱۴)

رہی دوسری بات،یعنی محبت بلا اطاعت واتباع کا بدعت ہونا تو یہ بات اوپر کی آیات واحادیث سے واضح طور پر نکلتی ہے۔

جس طرح قرآن مجید نے (ان کنتم تحبون اللّٰہ)والی آیت میں اللہ کی محبت کا طریقہ یہ بتلایا ہے کہ نبی ﷺ کی اتباع کی جائے اور بغیر اتباع نبی (ﷺ) کے اللہ کی محبت کے جتنے طریقے ایجاد کیے گئے ہیں ان سب کو بدعت وضلالت قرار دیا ہے،اسی طرح نبی ﷺ نے حدیث میں یہ واضح فرمادیا کہ آپ سے محبت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آ پکی سنت کے ساتھ محبت کی جائے۔اور بعض دوسری حدیثوں میں آپ ﷺ نے اپنی محبت میں اس قسم کے غلو کی ممانعت فرمائی ہے جس قسم کا غلو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں کیا۔

نبی ﷺ کی وہ ہدایت اور یہ ممانعت اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ جو لوگ نبی ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن آپ ﷺ کی سنت کی پیروی نہیں کرتے اوّل تو ان کا دعویٰ ہی بے حقیقت ہے اور اگر اس کے اندر سچائی کی رمق ہے بھی تو ان کی یہ محبت بالکل بے معنی محبت ہے۔اور اگر انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ محبت کرنے کے کچھ ایسے طریقے بھی ایجاد کر لیے ہیں جو صریحاً آپ ﷺ کی سنت کے خلاف ہیں تو یہ اس طرح کی بدعت ہے جس طرح کی بدعت نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں کی ہے کہ ان کو پیغمبر کی بجائے خدا بنا کے بٹھادیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت نبی ﷺ کے ساتھ محض عقلی واصولی ہی نہیں تھی بلکہ جذباتی بھی تھی لیکن یہ جذبات کبھی حدود کتاب وسنت سے متجاوز نہیں ہوتے تھے۔ایک طرف یہ حال تھا کہ

صحابہؓ اپنے اوپر بڑی سے بڑی تکلیف اٹھا لیتے لیکن نبی ﷺ کے راہوں میں ایک کانٹے کا چبھنا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ نبی ﷺ کی حفاظت میں ان کے اپنے جسم تیروں سے چھلنی ہو جاتے لیکن وہ یہ نہیں برداشت کر سکتے تھے کہ ان کے جیتے جی آپ کا بال بھی بیگا ہو۔ مرد تو مرد عورتوں تک کے جذبات کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے بیٹے، شوہر، باپ اور بھائی سب کو قربان کر کے بھی نبی ﷺ کی سلامتی کی آرزوئیں رکھتی تھیں۔ دوسری طرف اتباع سنت کا یہ اہتمام تھا کہ اس محبت سے مغلوب ہو کر بھی کبھی کوئی ایسی بات ان سے صادر نہیں ہوتی تھی جو آپ ﷺ کی صریح ہدایات تو درکنار، آپ کی پسندیدگی کے خلاف ہو۔ حضرت انسؓ کا بیان ملاحظہ ہو:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہؓ کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی شخص بھی محبوب نہ تھا۔ لیکن جب وہ آپ ﷺ کو دیکھتے تو آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوتے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ آپ اس بات کو ناپسند فرماتے ہیں''۔

لیکن آج اگر ہم مسلمانوں کا جائزہ لیں تو ان کے اندر بڑی اکثریت ایسے ہی لوگوں کی نکلے گی جو یا تو نبی ﷺ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس ایمان کے ساتھ اطاعت موجود نہیں ہے۔ یا محبت کا دم بھرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ اتباع سنت نہیں ہے۔ اطاعت اور اتباع دونوں کی جگہ انہوں نے اپنی طرف سے چند چیزیں ایجاد کر لی ہیں...... کچھ میلاد کی مجلسیں منعقد کر دیتے ہیں، کچھ دیگیں پکوا کے تقسیم کر دیتے ہیں ایک آدھ جلوس نکلوا دیتے ہیں، کچھ نعرے لگوا دیتے ہیں...... بس اس طرح کی کچھ باتیں ہیں جن سے ان کا ایمان اور ان کی محبت رسول عبارت ہے۔ آپ کو کتنے ایسے اشخاص مل جائیں گے جنہوں نے نماز مدت العمر نہیں پڑھی لیکن مہینہ میں میلاد کی مجلسیں اور قوالی کی محفلیں کئی بار منعقد کرتے ہیں۔ مال رکھتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرنے کی ان کو کبھی توفیق نہیں ہوئی لیکن اپنی ان بدعات پر، جو وہ رسول اللہ ﷺ کے نام پر کرتے ہیں، ہر سال ہزارہا روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ اب کسی کو اس بات کی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا مطالعہ کریں اور ان کی روشنی میں

اپنی زندگیوں کا جائزہ لے کر ان کو درست کرنے کی کوشش کریں لیکن رسول اللہ ﷺ کے عشق میں اپنے آپکو ہر وقت سرشار ظاہر کرتے ہیں اور نعتیہ اشعار پڑھ کر یا سن کر ان پر وارفتگی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ حالت ہماری کسی ایک ہی طبقہ کی نہیں ہے بلکہ ہمارے اکثر طبقے اسی قسم کی محبت رسول ﷺ کے دعویدار ہیں اور اگر کچھ لوگ اتباع سنت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں تو ان کا حال بھی یہ ہے کہ ان کے نزدیک تمام سنت جن چند اختلافی مسائل کے اندر سمٹ آئی ہے، بس انہی چند چیزوں پر ان کا سارا زور صرف ہوتا ہے۔ گویا نبی ﷺ کی بعثت صرف انہی چند مسائل کی تعلیم کے لیے ہوئی تھی۔

دعائے مغفرت

آدم کے چیمہ سے بھائی جاوید بٹ کی والدہ

راولپنڈی سے بھائی جو امریکہ میں مقیم ہیں امجد نواز صدیقی کے والد

گکھڑ سے بھائی ڈاکٹر عرفان کے دادا

گوجرانوالہ سے بھائی محمد طالب صاحب کے بھانجے

گوجرانوالہ سے بھائی محمد رمضان کے ماموں کا

گوجرانوالہ سے بھائی بشیر بٹ صاحب کی بھانجی

بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ)

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
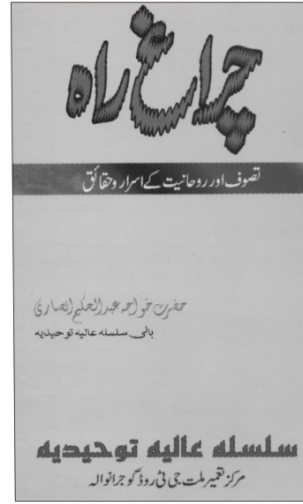
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔
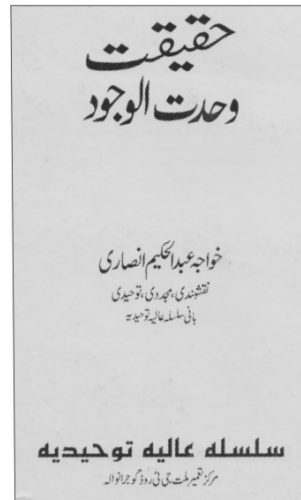
مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔
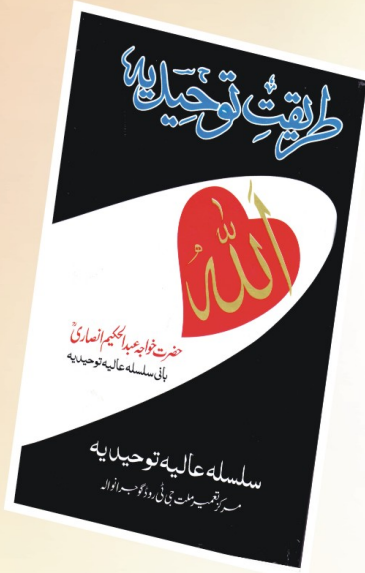
Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com